سلسلۂ مطبوعات : مشاہیرِ اُردو

حافظ محمود شیرانی

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

مقتدرہ قومی زبان پاکستان

حافظ محمود شیرانی

احوال و آثار

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

مقتدرہ قومی زبان ☆ پاکستان
۲۰۱۱ء

سلسلہ مطبوعات مقتدرہ:۵۲۶

عالمی معیاری کتاب نمبر ISBN۹۷۸-۹۶۹-۴۷۴-۲۷۱-۷

☆

طبع اوّل	....	۲۰۱۱ء
تعداد	....	۵۰۰
قیمت	....	۱۳۰روپے
فنی تدوین	....	ڈاکٹر راشد حمید
ترتیب و صفحہ بندی	....	منظور احمد
پروف خوانی	....	حاجی غلام مہدی
طابع	....	ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی
اہتمام	....	تجمل شاہ
ناشر	....	**افتخار عارف** صدرنشین مقتدرہ قومی زبان، ایوانِ اُردو، پطرس بخاری روڈ، ایچ۔۸/۴، اسلام آباد، پاکستان۔ فون: ۰۵۱-۹۲۵۰۳۱۱-۱۳ فیکس: ۰۵۱-۹۲۵۰۳۱۰

☆

پیش لفظ

مقتدرہ قومی زبان نے ادارے کے دوسرے اہم وظائف کے ساتھ ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کی کہ اُردو کے بنیاد گزاروں کو یاد رکھا جانا چاہیے تا کہ آئندہ نسلوں کو اُن کی علمی، ادبی اور لسانی خدمات سے آگاہ کیا جا سکے۔ مشاہیر اُردو کے عنوان سے پیش نظر سلسلۂ مطبوعات کا آغاز کیا گیا ہے جس میں اُردو کے محسنوں اور بنیاد گزاروں کی اُردو کے لیے خدمات پر تعارفی نوعیت کی مختصر مگر جامع کتابیں شائع کی جائیں گی۔ اس منصوبے کے تحت مختلف شخصیات پر تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے وقیع کتابیں مرحلہ وار اشاعت پذیر ہوں گی۔

حافظ محمود شیرانی اُردو کے عہد ساز محقق اور تنقید نگار ہیں۔ ماہر لسانیات کی حیثیت سے ان کی شخصیت بے حد نمایاں مقام و مرتبے کی حامل ہے۔ حافظ صاحب کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں مگر اُردو کی ترویج و فروغ کے ضمن میں ان کے کارنامے بے حد و حساب اہم ہیں۔ انھوں نے اُردو ادب و لسانیات کے طلبا و طالبات کے لیے بے حد مفید اور عالمانہ خدمات سرانجام دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو تحقیق اور لسانیات کا باب حافظ محمود شیرانی کے بغیر کسی صورت مکمل نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال اُردو کے نوجوان محقق، تنقید نگار اور اُستاد ہیں۔ انھوں نے مقتدرہ قومی زبان کے مطبوعاتی سلسلے مشاہیر اُردو کے لیے حافظ محمود شیرانی کی حیات و خدمات پر وقیع کتاب تصنیف کر کے اُردو کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب حافظ محمود شیرانی کے احوال و آثار سے آگاہی کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

——— افتخار عارف

حرف اوّل

حافظ محمود شیرانی اُردو لسانیات اور تحقیق وتنقید میں ایک معتبر نام رکھتے ہیں۔انھوں نے اُردو تحقیق وتنقید میں مغربی ومشرقی اصول وضوابط کو اپنایا، غیر جانبدارانہ اور غیر متعصّبانہ رویہ اپناتے ہوئے تحقیقی نتائج اخذ کیے۔تحریر، رسم الخط، کتابت، کاغذ، روشنائی اور مخطوطہ شناسی میں کمالِ مہارت سے کام لیتے ہوئے بہت سے محتاط نتائج مرتب کیے، ان تحقیقی نتائج نے آنے والے محققین کو روشنی اور رہنمائی فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔

حافظ محمود شیرانی کی شخصیت تحرک اور جہدِ مسلسل کا ایک ایسا استعارہ ہے کہ جس کا مطالعہ قارئین کے اندر بھی ذوقِ عمل کی چنگاری کو بھڑکانے اور شوقِ جستجو کو مہمیز کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ان کی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں کہ اگر ہر ایک پہلو پر بات کی جائے تو کئی کتابیں درکار ہوں گی۔ان کا صرف ایک کام ''پنجاب میں اُردو'' علیحدہ سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کے لیے کافی ہے۔ان کے مقالات کی دس جلدیں، دیگر کتب اور مضامین بھی کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ان کی زندگی کے علمی، ادبی، تحقیقی وتنقیدی رخ کے ساتھ ساتھ ان کے عہد کی سیاسی ومعاشرتی اور تہذیبی وثقافتی تناظر بھی بحث کے قابل ہیں۔حافظ محمود شیرانی اپنی ذات میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔اُردو زبان وادب کے ضمن میں بہت سے ادارے وہ کام نہیں کر پائے جو تنِ تنہا حافظ محمود شیرانی نے سرانجام دیے۔

اکتساب علم سے لے کر اپنی تمام تر علمی وادبی تحقیقی وتنقیدی اور درسی وتدریسی مصروفیات کے باوجود حافظ محمود شیرانی نے کبھی اپنی خانگی اور خاندانی ذمہ داریوں سے منہ نہیں

موڑا۔ان کی کوئی بھی حیثیت یا کردار چاہے وہ بیٹے کا ہو، یا بھائی کا، شوہر کا ہو یا باپ، دادا کا، وہ ہر روپ میں فعال نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے دور کی بڑی بڑی اور نامی گرامی شخصیات کے جھرمٹ میں الگ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں بلکہ تخصیصی حیثیت کے بھی مالک ہیں۔اُردو زبان کے علاوہ فارسی اور انگریزی زبان کی استعداد بھی ان کی تحریروں میں ایک منفرد انداز سے ظہور پذیری کے عمل کا حصہ بنتی نظر آتی ہے۔

حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی شخصیت کا محاکمہ کرنے کے لیے اس کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب: ''حافظ محمود شیرانی۔سوانح حیات'' کے عنوان سے ہے جس میں حافظ محمود شیرانی کے حالات زندگی، ان کے آباؤ اجداد کا وطن، قبیلہ، ابتدائی تعلیم، انگلستان میں قیام اور اور حصول تعلیم، تحقیقی کاوشوں کا آغاز، دوران تعلیم بیماری، شفایابی، والد کی وفات، خاندانی اور گھریلو حالات و مسائل، بھائیوں میں جائیداد اور روپے پیسے کے لیے جھگڑا، تعلیم کی تکمیل میں حائل رکاوٹیں، مالی مشکلات، حصول رزق کے لیے انگلستان میں مصروفیات، وطن واپسی، ملازمت، ریٹائرمنٹ، مشاغل، وفات اور سیرت و کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ان تمام مراحل میں مروجہ تحقیقی اندازِ تحریر کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

دوسرے باب میں حافظ محمود شیرانی کے قلمی آثار پہ بات کی گئی ہے۔ پہلے ان کی مطبوعات، مضامین و مقالات اور ان پر کیے گئے تحقیقی کام کی فہرست دی گئی ہے۔اس کے بعد ان کی تصنیفات، تالیفات اور مرتبہ کتب کا تعارف پیش کیا ہے۔طوالت سے بچنے کی خاطر بہت سے بحث طلب مسائل کو مختصر انداز میں نپٹانے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ کئی مضامین اور کتب ایسی تھیں کہ جن پر الگ سے مقالہ یا کتاب لکھی جا سکتی تھی مگر زیرِ نظر کتاب کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ بہت کم صفحات میں خاص خاص باتیں ہی شامل کی جا سکتی ہیں اور یہ چونکہ کوئی پی ایچ ڈی کا مقالہ نہیں ہے بلکہ اس کتاب کا مقصود صرف اتنا ہے کہ قارئین کو سوڈیڑھ سو صفحات میں اتنا کچھ مل جائے کہ وہ

حافظ محمود شیرانی کے حالات زندگی اور علمی و قلمی کارناموں سے آگاہ ہو سکیں۔

تیسرا باب ان خدمات کے لیے وقف کیا گیا ہے جو کہ حافظ محمود شیرانی کی اُردو کے لیے سرانجام دی ہیں۔اس ضمن میں ان کی بطور شاعر، بطور ماہر لسانیات، بطور محقق، بطور نقاد خدمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں کتابیات بھی شامل کی گئی ہے۔

میں اس کتاب کے قارئین سے امید رکھتا ہوں کہ اگر اس کتاب کے کسی بھی باب کے کسی مضمون میں اگر مجھ سے کوئی فروگزاشت ہوگئی ہو تو اسے میری کم علمی اور بے خبری پر محمول کرتے ہوئے نظر انداز فرمائیں گے اور اس حوالے سے میری رہنمائی کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔

میں، جناب افتخار عارف، صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان کا ممنون ہوں کہ ان کی شفقت اور علم دوستی اس کتاب کی تکمیل میں میرے ہمراہ رہی اور ڈاکٹر راشد حمید کی رہنمائی اور دوستی نے لمحہ لمحہ مجھے حوصلوں کی کمک فراہم کی۔

میں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر محمد ارشد اویسی، جناب ہارون عثمانی ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور، جناب مرزا صاحب لائبریرین اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور اور اپنے ان رفقا کار کا بھی ممنون ہوں جنھوں فراہمیِ مواد میں ہر ممکن میرے ساتھ تعاون کیا۔ میں حافظ محمود شیرانی کے حوالے سے مواد کی فراہمی اور رسائل و کتب کی تلاش میں اپنی ہونہار شاگردوں انعم نواز اور سعدیہ حسین کا بھی ممنون ہوں کہ ان ذوقِ تلاش و جستجو بھی اس کتاب کی تعمیر میں شامل رہا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

فہرست

☆☆☆☆

باب اوّل

حافظ محمود شیرانی۔ سوانح حیات

قبیلہ اور خاندان

حافظ محمود شیرانی کا تعلق افغانوں کے قبیلہ شیرانی سے تھا۔'شیرانی' افغانوں کے جد اعلیٰ ملک قیس عبدالرشید کے ایک پڑپوتے کا نام تھا۔(۱) شیرانیوں کا پیشہ سپہ گری تھا جس کی مناسبت سے وہ تمام علاقے میں سپاہی مشہور ہو گئے۔ ذرائع معاش کی کمیابی نے انھیں فوجی خدمت کی طرف متوجہ کیا۔(۲) ان کے قبیلے میں فوج میں بھرتی کا نمایاں رجحان موجود رہا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> ''سپاہ گری کا فن ان کے خاندان میں ہمیشہ رہا۔ ان کے بزرگ حضرت سید احمد صاحب کے قافلے کے لوگ تھے۔ شیرانی صاحب نے بزرگوں کی اس وراثت کی شکل کر دی۔ وہ علم کے شعبے میں سپاہیانہ ذوق کے آدمی تھے، چنانچہ تحقیق میں نبرد آزمائی کی جب بھی کوئی صورت نکلتی تو گویا یہ ان کے لیے جشن کی تقریب ہوتی تھی۔''(۳)

سلسلہ کوہ سلیمان اور اس کے اردگرد پہاڑوں میں یہ قبیلہ زمانہ قدیم سے آباد ہے۔ اس کے نزدیک ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ژوب واقع ہے۔ یہاں صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد باہم ملتے ہیں۔ علاقہ شیرانی کے جنوب میں ''زمری'' شمال میں ''وزیری'' اور مغرب کی جانب ''مندوخیل کاکڑ'' جیسے قبیلے آباد ہیں۔ درہ گومل، وزیری، اور شیرانی کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا ہے۔(۴) شیرانیوں کا پیشہ زراعت ہے۔ پاس علاقہ کی زمین پتھریلی اور بارانی ہے جس کی وجہ سے شیرانی قبیلے کے لوگوں میں زراعت کی جگہ سپہ گری کے پیشے کو اپنانے کی طرف رجحان بڑھتا

گیا۔اس علاقے کی اہم پیداوار میں مکئی اور چلغوزہ مشہور ہیں۔ان کا اہم پیشہ گلہ بانی ہے۔شیرانی علاقہ جسے آج کل تحصیل شیرانی کہا جاتا ہے انتظامی اعتبار سے ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان سے متعلق ہے ،وہ بلوچستان کے ضلع ژوب کا ایک حصہ تھا۔ (۵)

شیرانی قبیلے سے تعلق رکھنے والے کچھ خاندان راجپوتانے میں بھی آباد ہو گئے تھے۔ حافظ محمود شیرانی کے اسلاف ریاست جودھپور مارواڑ میں آباد ہوئے تھے جہاں ''شیرانیوں کی ڈھانی'' کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی موجود وآباد ہے۔حافظ محمود شیرانی کے بزرگوں کو سید احمد شہید سے ارادت تھی اور وہ ان کے مرید تھے چنانچہ سید صاحب کے دوسرے رفقا کی طرح انھیں بھی جاگیر عطا ہوئی تھی۔ان کے دادا حاجی چاند خاں وزیر الدولہ کے عہد میں جودھپور سے ٹونک آئے اور قافلے میں قیام کیا۔حافظ محمود شیرانی کے والد محمد اسماعیل خاں ٹونک میں منشی خانے میں نائب میر منشی مقرر ہوئے۔نواب محمد علی خاں نے انھیں اپنی بیگم (مشرف بیگم) کا کامدار مقرر کر دیا تھا۔اس طرح محمد اسماعیل خاں کا خاندان ایک معزز خاندان سمجھا جاتا تھا۔ (۶) حافظ محمود شیرانی کے دادا کے حوالے سے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> ''شیرانی صاحب کے دادا سید احمد شہید کے قافلۂ جہاد میں شامل تھے اور اسی تعلق سے ٹونک میں قیام پذیر ہوئے۔'' (۷)

چونکہ سید احمد شہید کے قافلے کے بہت سے لوگ ٹونک میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔اسی لیے ان کے دادا بھی ٹونک میں رہائش پذیر ہوئے۔

ریاست ٹونک کا پس منظر:

ٹونک ریاست کی اہمیت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جب ہندوستان کے مختلف علاقوں پر انگریزوں کی عملداری بڑھتی جا رہی تھی، ۱۸۰۳ء میں مغل تاجدار شاہ عالم نے کمپنی کی بالادستی قبول کر لی تھی۔اس کے باوجود ہندوستان کے مسلمان مایوس نہیں تھے بلکہ اپنے سیاسی غلبے کے لیے بدستور کوششوں میں مصروف تھے۔نواب امیر خاں بھی انفرادی طور پر انگریز دشمنی میں بار ہا قلیل

سپاہ سے کئی گنا بڑے لشکر کو شکست دے چکا تھا۔ راجپوتانہ، مالوہ، گجرات، وسط ہنداور دکن میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ۱۸۰۸ء میں اس نے انگریز کمپنی، مرہٹوں اور نظام دکن کی افواج کا دلیری سے مقابلہ کیا۔ حضرت سید احمد شہید نے فوجی تربیت حاصل کرنے کے لیے امیر خاں کے لشکر میں چند سال گزارے۔ جب راجپوتانہ اور وسط ہند کے مقامی رہنما اور امیر خاں کے معتمد سردار عبدالغفور خاں اور رسالدار فیض اللہ خاں بنگش انگریزوں کے ساتھ مل گئے تو مجبوراً انھوں نے بھی انگریزوں سے صلح کر لی۔ معاہدے کی رو سے نواب امیر خاں کی ان کے مقبوضات پر جو وسط ہند اور راجپوتانہ میں چھ متفرق اضلاع پر مشتمل تھے اور جن کا مجموعی رقبہ ۲۵۵۳ مربع میل تھا، پر حاکمیت تسلیم کر لی گئی۔ اس حوالے سے محمد آباد ٹونک، ہندوستان میں قائم ہونے والی آخری ریاست تھی؛ دریائے باناس کے کنارے واقع ٹونک کے قدیم قصبے کو جس کا صدر مقام بنایا گیا۔ ریاست کے باقاعدہ قیام کے بعد قصبہ ٹونک کی قسمت جاگ گئی، پرانے قصبے کی فصیل سے باہر نیا شہر آباد کیا گیا۔ نئی نئی عالی شان عمارتیں اور مساجد تعمیر کی گئیں۔[۸] نواب امیر خاں ۱۸۳۴ء میں انتقال کر گئے تو ان کی جگہ نواب وزیرالدولہ محمد وزیر خاں تخت نشین ہوئے، جو صاحب علم بھی تھے اور صاحب تصنیف بھی۔ نواب وزیرالدولہ کے بعد ۱۸۶۴ء میں ان کے فرزند نواب محمد علی جانشین ہوئے۔ نواب محمد علی خاں کے بعد ان کے فرزند نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں ۶۳ برس تک حکمران رہے۔ ۱۹۳۰ء میں ان کے صاحبزادے نواب حافظ سعادت علی خاں اور ۱۹۴۷ء میں دوسرے فرزند فاروق علی خاں حکمران ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں ان کی رحلت کے بعد نواب ابراہیم علی خاں مرحوم کے ایک اور بیٹے نواب محمد اسماعیل علی خاں کو حکومت ہندوستان نے جائز وارث تسلیم کر لیا۔ تاہم یکم مئی ۱۹۴۸ء کو ریاست ٹونک کا مسلم تشخص ختم کر کے اسے راجستھان یونین میں ضم کر دیا گیا۔[۹] اس طرح ریاست ٹونک کا ایک تاریخ ساز عہد اپنے اختتام کو پہنچا۔

ریاست ٹونک کی زبان:

اس علاقے کی زبان راجستھانی کی ایک شاخ ہے جو ڈھونڈھاری یا جے پوری کہلاتی

ہے۔لیکن تازہ واردین بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہوئے آئے تھے، البتہ ملی تشخص کی علامت اردو زبان تھی اورعلم وفن کا ذریعہ اظہار عربی وفارسی زبانیں تھیں۔[۱۰] ریاست کی دفتری زبان انیسویں صدی میں فارسی تھی لیکن مسلمانوں کی عام بول چال کی زبان اردو تھی۔[۱۱]

ٹونک پہلے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا مگر نواب امیر خاں کا پایہ تخت بننے کے بعد اس کی کایا پلٹ گئی۔ پرانے قصبے کی فصیل سے باہر نئے شہر کی تعمیر عمل میں آئی۔نادرشاہ درانی نے جب دلی کو برباد کیا تو لکھنؤ آباد ہوا تھا اور ۱۸۵۷ء میں جب دلی اور لکھنؤ دونوں اجڑ گئے تو ان شہروں سے منتخبان روزگار نے مسلمان ریاستوں کا رخ کیا جن میں حیدرآباد، ٹونک، رامپور اور بھوپال قابل ذکر ہیں۔

ریاست ٹونک اپنی تہذیب وثقافت اور علوم وفنون اور مذاقِ شعروسخن کی وجہ سے دلّی اور لکھنؤ کے ماحول کی عکاس تھی۔[۱۲] ریاست ٹونک میں شعروادب اور علم وہنر سے دلچسپی رکھنے والی شخصیات نے اس قصبے کی تہذیب وثقافت کو جلا بخشی۔

حافظ محمود شیرانی کی پیدائش:

حافظ محمود شیرانی ۵۔اکتوبر ۱۸۸۰ء بروز منگل کو پیدا ہوئے۔بمطابق ۲۹ شوال ۱۲۹۷ ہجری مطابق کنوار سدی یکم ۱۹۳۷ بکرمی یوم سہ شنبہ بعد مغرب یعنی غروب آفتاب کے وقت بمقام ٹونک پیدا ہوئے۔[۱۳] حافظ صاحب کے والد محترم محمد اسماعیل کی دو بیویاں تھیں۔پہلی بیوی سے دولڑکے محمد ابراہیم خاں، محمد اسرائیل خاں، اور تین لڑکیاں تھیں؛ جبکہ دوسری بیوی سے چھ لڑکے پیدا ہوئے۔محمود شیرانی دوسری بیوی سے تھے اور ان کا نام پہلے محمد میکائیل خاں تھا جسے بعد میں بدل کر محمد محمود رکھا گیا۔ان کے دیگر بھائیوں کے نام محمد مسعود خاں، محمد مودود خاں، محمد مقصود خاں، محمد داؤد خاں، محمد مشہود خاں تھے۔

حافظ محمود شیرانی کے آباؤاجداد مارواڑ سے ٹونک منتقل ہوئے تھے، اس لیے ٹونک میں ان کا گھرانہ مارواڑیوں کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔[۱۴]

ابتدائی تعلیم اور شادی:

ٹونک میں ابتدائی قاعدہ پڑھانے کے بعد قرآن حفظ کرانے کا دستور تھا جس کی وجہ سے ٹونک میں حفاظ کرام کی تعداد دوسرے شہروں کی نسبت زیادہ تھی۔خود نوابان اور ان کے اہل خانہ بھی اکثر قرآن کے حافظ ہوتے تھے۔حافظ محمود شیرانی نے بھی اوائل عمری ہی میں قرآن حفظ کرلیا۔قرآن حفظ کرنے کے بعد وہ مروجہ تعلیم یعنی فارسی زبان وادب کی تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ابتدا میں خود ان کی والد نے ان کی تدریس میں دلچسپی لی۔ابتدائی تعلیم کے بعد وہ سید سعید احمد اسعد کے درس میں پڑھنے کے لیے جانے لگے۔ [۱۵]

حافظ محمود شیرانی کی شادی:

۱۶ مارچ ۱۸۹۷ء (مطابق ۱۶ شعبان ۱۳۰۹ھ) کو حافظ محمود شیرانی کا نکاح عالم خاں ولد محراب خاں شیرانی کی دختر سے ہوا۔حافظ محمود شیرانی نے ۱۸۹۷ء ہی میں باقاعدہ انگریزی تعلیم کی ابتدا کردی تھی۔ [۱۶] اس مقصد کے لیے انھیں جودھپور بھیجا گیا۔۱۸۹۸ء میں انھوں نے جودھپور سے مڈل کا امتحان پاس کرلیا اور ٹونک واپس آ گئے۔شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی ان دنوں تعطیلات پہ ٹونک آئے ہوئے تھے۔ابا صاحب نے محمود شیرانی کو مفتی صاحب کے ہمراہ لاہور بھیج دیا جہاں انھوں نے حافظ محمود شیرانی کو سنٹرل ماڈل سکول میں نویں جماعت میں داخل کرادیا۔وہاں کا ماحول انھیں پسند نہ آیا تو وہ اِسی سال (۱۸۹۸ء) منشی اور آئندہ سال منشی عالم کے امتحان پاس کر کے اورینٹل کالج کی منشی فاضل کلاس میں داخل ہوگئے اور وہاں سے ۱۹۰۱ء میں انھوں نے منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ [۱۷] بقول مظہر محمود شیرانی انھوں نے عالم ۱۸۹۹ء کے امتحان میں اول اور فاضل ۱۹۱۰ء کے امتحان میں یونیورسٹی میں دُوم پوزیشن حاصل کی۔ [۱۸]

انگلستان روانگی:

ستمبر ۱۹۰۴ء میں حافظ محمود شیرانی اپنے والد کی خواہش پر بیرسٹر بننے کے لیے بمبئی کے

راستے سمندری جہاز پر انگلستان تشریف لے گئے ،۴،اکتوبر کو وہ لندن پہنچے، تا کہ بار میں داخلہ لیں اور انگریزی کی کمی بھی پوری کریں۔لندن پہنچ کر ان کے سامنے دو صیغے تھے ایک قانون اور دوسرا زراعت ،ان کی دلچسپی قانون کے بجائے زراعت میں تھی مگر غور وخوض اور مشوروں کے بعد والد صاحب کی خواہش پر انھوں نے لنکنز ان (Lincoln's Inn) میں داخلہ لے لیا۔[۱۹] انھوں نے اپنے والد کے احترام اور ان کی خوشی کی خاطر اپنی خواہش کو ترک کر دیا۔

لباس:

انھوں نے ہندوستان میں کبھی انگریزی لباس نہیں پہنا تھا ولایت جا کر پہننا شروع کیا۔ وہ زیادہ تر فراک کوٹ پسند کرتے اور کبھی کبھی راجستھانی انداز کا صافہ باندھا کرتے تھے۔بعد میں حافظ صاحب سوٹ کے ساتھ ترکی ٹوپی استعمال کرنے لگے جو کہ آخر تک استعمال کرتے رہے۔[۲۰]

بیماری:

انگلستان میں ان کو ایک عجیب وغریب اور خطرناک بیماری کا سامنا بھی کرنا پڑا، بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ اور ان کے ڈاکٹر ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ان کے دونوں کان اندر سے پک گئے ،ان کا سر سوج گیا اور چہرے پر ورم آ گیا،[۲۱] ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ڈاکٹر سونے کی دوا دیتا تو وہ سو جاتے ورنہ درد کی شدت سے تڑپتے رہتے،آخر ڈاکٹروں نے ۸جنوری کو ان کا آپریشن کیا۔دونوں کانوں کے پیچھے شگاف کر کے کوئی آدھ سیر فاسد مادہ نکالا۔اس بیماری میں وہ تقریباً تین ماہ گرفتار رہے۔[۲۲] بیماری کی وجہ سے ان کا بہت سا وقت ضائع ہوا اور اس تکلیف دہ صورتحال کی وجہ سے ان کی پڑھائی بھی متاثر ہوئی اور انھیں بھاری اخراجات بھی برداشت کرنا پڑے۔وہ اپنے اخراجات کے بارے میں اپنے والد محترم کو ۹ جنوری ۱۹۰۵ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''مجھے کس قدر شرم آتی ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں چار ہزار پچاس روپیہ لے کر گھر سے نکلا تھا اور آج چار مہینے بعد وہ تمام روپیہ خرچ

ہوگیا۔اور میں آپ سے پھر مانگ رہا ہوں۔ابا جان اگر آپ دل میں یہ
خیال کریں گے کہ میں نے فضول خرچی کی ہے تو مجھے بہت صدمہ ہوگا
۔قریباً تین ہزار تو کرایہ جہاز اور فیس کالج میں چلا گیا۔باقی رہا ایک ہزار،
اس کے اندر ہی تین مہینے گزر گئے۔کتابیں خریدیں اور کچھ چیزیں یہاں
کی رسم کے مطابق خریدیں۔''(۲۳)

حافظ محمود شیرانی نے انگلستان میں قانون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان وادب میں بھی استعداد پیدا کی اور اس کے علاوہ انگریزی معاشرت کا بھی بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔ خلیق انجم لکھتے ہیں:

''وہ لندن کے مقامی باشندوں سے بے تکلف انگریزی بولنے لگے اور
بہت اچھی انگریزی لکھنے لگے۔''(۲۴)

لندن میں حافظ محمود شیرانی کی ملاقات شیخ عبدالقادر سے بھی ہوئی جو مخزن کے ایڈیٹر تھے اسی لیے مخزن کے جنوری ۱۹۰۵ء کے شمارے میں ان کی نظم 'نخلستان' اور مخزن شمارہ مارچ میں ان کی نظم ''ٹیپو سلطان شائع ہوئی، اسی سال اگست میں ''موت کا وقت'' کے عنوان سے مسز ہیمانز (Mrs. Hemans) کی انگریزی نظم Hour of Death کا اردو منظوم ترجمہ شائع ہوا۔انگلستان میں حافظ محمود شیرانی کی مصروفیات کے بارے میں شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''ولایت میں وہ کوئی سات سال رہے پہلے دو تین سال تو انھیں انگریزی
سیکھنے میں لگے۔۔۔میں جب ولایت سے چلا،وہ ابھی انگریزی سیکھ
رہے تھے۔مطالعے کا شوق بے حد تھا۔لندن کے کتب خانوں میں جا کر
کتب بینی میں مصروف رہتے۔وہاں مشرقی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ
برٹش میوزیم میں ہے اور دوسرا انڈیا آفس میں۔دونوں میں فارسی عربی کی
قلمی کتابیں بکثرت موجود ہیں اور ان میں سے کئی ایسی نادر کہ اب خود
مشرقی کتب خانوں میں ان میں سے بعض کا وجود نہیں۔''(۲۵)

۴مئی ۱۹۰۵ء (مطابق ۲۸ ربیع الاول۱۳۲۳ھ) کوٹونک میں ان کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام داؤدخاں رکھا گیا جس نے بڑے ہوکر اختر شیرانی کے نام سے شہرت پائی۔

حافظ محمود شیرانی نے ۱۹۰۶ء کے موسم بہار میں بارایٹ لاء کے چھ پرچوں میں سے دو پرچوں میں کامیابی حاصل کی۔

وطن واپسی:

۲۹ جولائی ۱۹۰۶ء (مطابق ۷ جمادی الآخر۱۳۲۴ھ) کوان کے والد کا اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے انھیں فوری طور پر اپنے وطن واپس لوٹنا پڑا۔ حافظ صاحب ٹونک پہنچے تو یہاں حالات بالکل بدلے ہوئے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی مسعود خاں نے باپ کی وفات کے بعد ان کی تمام دولت ،اشرفیاں اور توڑے راتوں رات غائب کر دیے تھے؛ وہ تن تنہا تمام اثاثوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس صورتحال میں ان کے بڑے بھائیوں ابراہیم خاں اور اسرائیل خاں نے شرع شریف میں مقدمہ درج کرادیا۔ اس تمام صورتحال سے حافظ محمود شیرانی بہت پریشان ہوئے اور انھیں بہت رنج ہوا۔ انھوں نے فریقین کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوسکا اوران کی سعی ناکام رہی۔

ان مخدوش حالات اور جھگڑے کی فضا میں ان کی سانس گھٹنے لگی۔ ایک پڑھا لکھا اور حساس آدمی جس نے کئی سال انگلستان کے کھلے ماحول میں گزارے ہوں ،کہاں ان لڑائی جھگڑوں میں خوش رہ سکتا تھا۔ ویسے بھی وہ ذہنی طور پر کسی کو گزند اور نقصان پہنچانے والے نہیں تھے اور نہ کسی کی حق تلفی ہوتا دیکھ سکتے تھے۔ وہ اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے بہت پریشان ہوگئے کیونکہ ان کے اپنے پاس کچھ نہ تھا۔ ان کی تعلیم اور انگلستان جانا اور وہاں رہنا وہاں کے اخراجات سب کچھ ان کے بھائی کے رحم وکرم پر تھا،موجودہ صورتحال ان کے لیے اس لیے بھی زیادہ پریشان کن تھی کہ ان کو جائیداد میں سے اپنا حصہ ملتا نظر نہیں آرہا تھا اور انھیں معلوم تھا کہ انگلستان میں بغیر رقم کے وہ نہ تو اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کھانے پینے اور رہائش جیسے مسائل پر قابو پا سکتے ہیں۔

دوبارہ انگلستان روانگی:

حافظ محمود شیرانی چند ماہ اسی انتظار میں رہے کہ والد کے ترکے میں سے ان کو کچھ حصہ مل جائے اور وہ اپنے حصے کی رقم لے کر لندن چلے جائیں۔ مقدمہ صرف نقدی ہی کا نہیں تھا بلکہ اس میں جائیداد، دکانوں اور مکانوں کا تنازع بھی تھا جس کا طے ہونا بہت مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ جب یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہ آیا تو انھوں نے واپسی کی ٹھانی، واپسی کا ٹکٹ وہ لے کر ہی آئے تھے۔ انھوں نے اپنے بھائی مسعود خاں سے کچھ رقم مانگی مگر اس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ اس نے حافظ محمود شیرانی کو کہا کہ وہ بے خوف ہو کر لندن چلے جائیں وہ ان کا حصہ باقاعدگی سے بھیجتا رہے گا، فی الحال اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے والدہ محترمہ کی اجازت سے اپنے چھوٹے بھائی مشہود خاں کی، جس عمر اس وقت صرف سات سال تھی، کو بھی لندن جانے کے لیے اپنے ساتھ لے لیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں اگر وہ یہاں رہتا تو سوائے خرابی کے اسے اور کچھ نہ ملتا۔ مسعود خاں دونوں بھائیوں کو بمبئی تک چھوڑنے آیا۔ حافظ محمود شیرانی اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ دسمبر ۱۹۰۶ء کے آخر میں لندن پہنچے اور انھوں نے ۱۸۔سنکلیر روڈ والے مکان میں رہائش اختیار کی۔ [۲۶] اب ان کی ذمہ داری دوگنی ہوگئی۔ انھیں اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کا بھی خیال رکھنا تھا۔

اس سفر کی وجہ سے ان کی اکتوبر ۱۹۰۶ء کی ٹرم ضائع ہوگئی چنانچہ وہ مارچ ۱۹۰۷ء کی ٹرم میں شامل ہوئے۔ انھوں نے اپریل ۱۹۰۷ء میں دو پرچوں کانسٹیٹیوشنل لاء اور لیگل ہسٹری کا امتحان دیا اور ان دونوں میں وہ پاس ہو گئے۔ [۲۷]

مقدموں کے سلسلے میں وہ برابر اپنے بھائی سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ مسعود خاں کی طرف سے خرچ بھیجنے میں تاخیر پر وہ تشویش کا شکار تھے۔ مگر وہ مسعود خاں سے بگاڑنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ لندن میں اب وہ اکیلے نہ تھے بلکہ چھوٹے بھائی کے اخراجات بھی ان ہی کے ذمہ تھے۔ انھیں لندن آ کر محسوس ہو رہا تھا کہ انھوں نے چھوٹے بھائی کو ساتھ لا کر شاید غلطی کی

ہے۔اپنے عزیز دوست سید حسن مجتبیٰ کو اپنے حالات اور مسائل کے حوالے سے آگاہ کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حسن تم یہ یاد رکھو کہ میں یہاں خوش نہیں ہوں۔مشہود کو لے آیا ہوں۔یہ ایک اور غلطی کی۔میرا آنا ہی پہلی غلطی تھی۔۔۔نہیں سمجھتا کہ کیا کروں دونوں ساحل مجھ سے دور ہیں۔کبھی سوچتا ہوں کہ واپس لوٹ جاؤں اور کبھی شرم آتی ہے اور سوچتا ہوں کہ اس قدر کیا ہے۔آگے بڑھے چلا جاؤں۔لیکن میرا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جن کو میرے خیال میں اور میرے مذاق سے ذرہ بھر بھی آشنائی نہیں۔والد محترم کو میرے مذاق سے کچھ مذاق تھا لیکن ان کے مٹنے پر وہ بھی مٹ گیا۔''(۲۸)

حافظ صاحب بدستور اپنے گھریلو معاملات پر نظر رکھے ہوئے تھے مگر ان کو وہاں سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوتے نظر نہیں آرہا تھا۔ان کا بھائی مسعود خاں جو کہ ان کے سامنے تو بہت ان کا دم بھرتا تھا مگر وہ جب سے لندن آئے تھے اس کا رویہ بھی بیگانوں جیسا ہو گیا تھا اور شیرانی صاحب کے حالات روز بروز مخدوش ہوتے جا رہے تھے۔وہ اِدھر اُدھر سے قرض کی رقم لے کر اپنے اخراجات پورے کر رہے تھے۔دسمبر ۱۹۰۷ء تک وہ ۷۰ پونڈ کے مقروض بن گئے اور آخری بار اپنے بھائی مسعود کو روپے بھیجنے کے لیے لکھا:

''تمھیں اگر باپ کے کفن کی شرم ہوتی تو،تمھیں اگر بھائی کا درد ہوتا تو تم سمجھتے کہ آخر میں جو رلا رلا کر خرچ بھیج رہا ہوں تو وہ کم بخت لندن میں کس طرح گزارا کر رہا ہوگا۔وہ اکیلا نہیں ہے۔اس کے ساتھ ایک اور تحفہ علت بھی ہے،آخر کار اس پر کچھ نہ کچھ خرچ ہوتا ہوگا۔۔۔۔میں اس وقت ستر پونڈ کا قرض دار ہوں۔اس کے علاوہ تین ماہ اور مجھ کو اپنے امتحان میں لگیں گے۔ان تین مہینوں کا خرچ ۴۸ پونڈ ہوگا۔علاوہ ازیں ۶۰ پونڈ مجھ کو بیرسٹری کی ڈگری ملنے پر ادا کرنے ہوں گے۔الغرض کلہم بیرسٹر ہونے

تک مجھ کو ۱۷۸، پونڈ پہنچنا چاہئیں ۔! یاد رکھو ۱۷۸ پونڈ ! اس رقم سے گریز نہیں، خواہ میں روؤں اور خواہ تم۔ یہ رقمیں ضروری ہیں، تمھیں بھیجنا ہوں گی اور اگر نہیں بھیجو تو ہمیں اپنی تقدیر پر چھوڑ دو۔'' (نوشتہ ۳۔ جنوری ۱۹۰۸ء)۔''(۲۹)

حافظ محمود شیرانی نے دسمبر ۱۹۰۷ء میں ایک اور پرچے کا امتحان دیا تھا۔ اس آخری پرچے میں ان کی کامیابی کا اعلان جنوری ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ اب صرف چھٹا اور آخری پرچہ باقی تھا لیکن وہ اس کا امتحان نہ دے سکے۔ ان کے بھائی نے اخراجات کی رقم کی ترسیل میں بڑی بے قاعدگی روا رکھی اور اگست ۱۹۰۷ء کے بعد ارسالِ زر کا سلسلہ بالکل منقطع کر دیا۔ قانون کی تعلیم کو خیر باد کہنے کے بعد حافظ محمود شیرانی نے ترجمے کا کام کرنے اور طلبہ کو فارسی زبان و ادب کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ ساتھ ہی پرانی کتابوں، تصویروں اور دیگر آثارِ عتیقہ کی خرید و فروخت کا کام بھی کرنے لگے۔ وہ فارغ اوقات میں برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری چلے جاتے اور وہاں اسلامی تاریخ پر تحقیق کرتے۔ (۳۰)

حافظ صاحب نے تعلیم پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ 'پین اسلامک سوسائٹی' کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا۔ وہ سوسائٹی کے جائنٹ سیکرٹری تھے اور پھر جلد ہی سیکرٹری بن گئے۔ اسی اثنا میں انھوں نے 'پین اسلامک سوسائٹی' کے کتب خانے کی بنیاد رکھی۔ اس کتب خانے میں چھ سال کی محنت سے انھوں نے دو ہزار کمیاب اور نایاب کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا۔ جب بھی ان کو وقت ملتا وہ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری میں جاتے اور وہاں اسلامی کتب اور تاریخ و ادب پر تحقیق کرتے تھے۔

حافظ محمود شیرانی لندن یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام ۱۹۰۹ء میں ایک مقابلے کے امتحان میں اوّل آئے اور آوَزلے سکالرشپ حاصل کیا اور ایک سال تک پروفیسر آرنلڈ کی زیرِ نگرانی عربی زبان و ادب کے مطالعہ میں مصروف رہے۔ لندن میں ماہرِ علومِ مشرقیہ کی حیثیت سے شہرت پانے کی وجہ سے آثارِ عتیقہ کا کاروبار کرنے والے ایک مشہور ادارے 'لوزک اینڈ کمپنی' نے انھیں معقول

تنخواہ پر اپنا مشیر رکھ لیا۔۱۹۱۱ء میں حافظ محمود شیرانی نے ڈاکٹر ہنری سٹب (۱۶۳۱۔۱۶۷۶ء) کی کتاب ''احوال طلوع وعروج اسلام مع حیات رسول اکرم ؐ'' (An Account of The Rise and Progress of Mahometanism with the life of Mahomet) کے مسودے کو ترتیب دے کر ضمیمے کے ساتھ شائع کرایا۔ یہ پہلا کام ہے جو حافظ صاحب نے انگریزی میں کیا۔۱۹۱۲ء میں شیرانی نے مغربی یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور وہاں کے متعدد کتب خانوں کا بھی مشاہدہ کیا۔ (۳۱)

حافظ محمود شیرانی ۱۹۱۲ء کے اختتام تک ملازمت بھی کرتے رہے اور مختلف کتب خانوں میں جا کر مطالعہ کا ذوق بھی پورا کرتے رہے۔اسی شوق کی تکمیل میں وہ فرانس بھی گئے اور وہاں پیرس میں فرانس کی قومی لائبریری 'ببلیو تیک ناسیونال' میں بھی تشریف لے گئے اور اس کا مشاہدہ ومطالعہ کیا۔ (۳۲) انھوں نے طلبہ کو پڑھانے کا کام شروع کیا اور اس کے علاوہ پرانی کتابوں،تصویروں اور دیگر آثار عتیقہ پر بھی نظر رکھنے لگے۔ساتھ ہی معاوضے پر ترجمے کے کام کا آغاز بھی کیا۔

شیرانی صاحب کی انگریزی کی استعداد پوری تھی ۔فارسی کی تعلیم متوسط اور عربی کی معمولی مگر ان میں تحقیق وتلاش کا مادہ فطرتاً تھا۔ (۳۳)

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک انھوں نے ملازمت اور دیگر کاموں سے کافی رقم جمع کر لی تھی وہ چاہتے تو اپنی قانون کی تعلیم کو مکمل کر سکتے تھے مگر اب انھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی یہ ان کے مزاج سے میل کھاتی تھی ،وہ پہلے بھی اپنے والد محترم کی خواہش کی تکمیل میں قانون کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

دوبارہ وطن واپسی:

۱۹۱۳ء میں لوزک فرم والوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ شیرانی وطن واپس جا کر فرم کے لیے کام کریں اور وہاں سے کتابیں،مورتیاں، سکے،مخطوطے اور تصاویر وغیرہ تلاش کر کے خرید کر بھیجیں۔ان کی تنخواہ اور اشیاء کی خرید کے لیے رقم باقاعدگی سے انھیں ملتی رہے گی،اس معاہدے

اور منصوبے کو مزید تقویت دینے کے لیے ادارے کی انتظامیہ نے انھیں فرم کا باقاعدہ حصہ دار بنالیا۔ جس کی رو سے فروری ۱۹۱۳ میں حافظ صاحب نے 'لوزک اینڈ کمپنی' کو ۷۰۰ پونڈ رقم بذریعہ چیک ادا کی۔ جس میں سے دوسو روپے فیس داخلہ اور پانچ سو پونڈ بطور سرمایہ کے تھے۔ اس تمام عرصہ میں حافظ محمود شیرانی اپنے بھائی مشہود خاں سے غافل نہیں رہے حتیٰ کہ لندن سے اپنے وطن کو واپس لوٹتے وقت انھوں نے مشہود خاں کے لیے اس کے نام ایک ہزار پونڈ کی رقم بینک میں جمع کرادی تاکہ اخراجات کے حوالے سے اسے کوئی دقت پیش نہ آئے۔ وہ موسم بہار میں برطانیہ سے واپس ٹونک پہنچ گئے۔ (۳۴) حافظ محمود شیرانی کو اپنے بھائی کی تعلیم کا بہت خیال تھا، وہ اسے اخراجات کے حوالے سے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

گھر واپس آجانے کے بعد انھوں نے لوزک والوں کے لیے اشیاء کی تلاش شروع کردی تاکہ معاہدے کے مطابق وہ قیمتی اور نایاب اشیاء ان کو بھجواسکیں۔ انھوں نے کچھ خاکے، تصاویر، شاہنامہ کا نسخہ، دیوان حافظ کا ایک ورق لوزک والوں کو بھیج دیا جس کی رسید انھیں جولائی ۱۹۱۳ء میں موصول ہوگئی۔ انھوں نے پرانی اور نادر اشیاء کے حصول کے لیے مختلف علاقوں کی سیر کی۔ وسطی ہند اور خاص کر راجپوتانے کے بیشتر علاقوں میں تشریف لے گئے۔ انھوں نے شکار کا شوق پورا کرنے کے لیے اب بندوق بھی خرید ڈالی تھی اور انھوں نے ٹونک شہر سے اِدھر اُدھر جانے کے لیے جوڑی تانگہ بھی لے لیا تھا جس کا ٹونک میں بہت رواج تھا۔ اس میں گدّا اچھا ہوتا اور گدے پر گاؤ تکیہ لگا ہوتا تھا جو بہت آرام دہ سواری سمجھی جاتی تھی۔ پہلی عالمی جنگ چھڑی تو یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ (۳۵) کچھ عرصہ بعد انھوں نے 'لوزک اینڈ کمپنی' کو اشیاء کی فراہمی روک دی۔

۱۹۱۴ء میں ان کا دوسرا بچہ پیدا ہوا جس نام حامد رکھا گیا۔ یہ بچہ صرف تین ماہ زندہ رہا اور مارچ ۱۹۱۵ء میں وفات پا گیا۔

حافظ محمود شیرانی کے تعلقات بہت محدود لوگوں سے تھے۔ جن میں احمد علی خاں وکیل، ڈاکٹر ولیم ڈیسائی سرجن شفاخانہ ٹونک اور منشی محمد یوسف خاں کے نام سرفہرست تھے۔ وکیل احمد

خاں کے پاس دریائے بناس کے قریب ایک موضوع ''بھانچی'' تھا، جس کے نزدیک حافظ نے ایک کچا مکان بنوالیا اور زیادہ تر وقت وہ وہیں گزارنے لگے۔ وہاں ان کو بندوق کے شکار کے ساتھ ساتھ مچھلی کا شکار بھی دستیاب تھا۔ ہفتہ دس دن کے بعد گھر چکر لگالیا کرتے۔ [۳۶]

حافظ محمود شیرانی نے بیٹے کی تعلیم کے لیے چند استاد مقرر کیے ہوئے تھے۔ جہاں اختر شیرانی کے لیے تعلیمی سہولتیں مہیا کی گئی تھیں، وہاں اس کی جسمانی نشوونما کے لیے بھی خاص خیال رکھا گیا تھا۔ اختر کے لیے گھر کے احاطے میں ایک اکھاڑا بنوادیا تھا جہاں شام کے وقت عبدالقیوم پہلوان، اختر اور ان کے ننھے ساتھیوں کو زور کرایا کرتے تھے۔ حافظ محمود شیرانی اکھاڑے کے قریب کرسیاں بچھا کر دوستوں کے ہمراہ بیٹھ جاتے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے۔ [۳۷] وہ اپنے بیٹے کو ہر حوالے سے توانا دیکھنا چاہتے تھے۔

چونکہ ان کو والد صاحب کی جائیداد میں سے کچھ نہیں ملا تھا اور بھائیوں نے مقدمہ بازی کی وجہ سے انھیں اپنے حق سے محروم کر دیا تھا، ان کی ماں کو اس بات کا بہت قلق تھا۔ وہ حافظ شیرانی کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھیں مگر ان کے پاس سوائے اپنے زیور کے اور کوئی اثاثہ نہیں تھا۔

حافظ محمود شیرانی کی والدہ نے ان کے حالات دیکھتے ہوئے یکم ستمبر ۱۹۱۷ء کو ایک دستاویز کے ذریعے اپنے تمام قیمتی طلائی اور نقرئی زیورات حافظ محمود شیرانی کے حوالے کر دیے۔ یوں وہ وقتی طور پر مالی بحران سے باہر نکل آئے۔ اس تحریر کے صرف چند روز بعد ۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء کو ان کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ [۳۸] ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تو وہ پنے اہل وعیال اور اقربا کو بھانچی کے نزدیک دریا کے کنارے لے گئے اور انھیں تین ماہ تک وہیں رکھا۔

ستمبر ۱۹۱۸ء کو حافظ محمود شیرانی کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی، اگلے برس ایک اور بچی پیدا ہوئی لیکن وہ چند ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔

۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو ورسائی کے معاہدے کی رو سے عالمگیر جنگ اختتام پذیر ہوئی تو حافظ محمود شیرانی کو انگلستان جانے کا خیال آیا انھوں نے ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو انگریز ایجنٹ جنرل کے کیمپ

واقع کوہ آبو (Mount Abu) سے بنوایا۔ پاسپورٹ بن گیا مگر وہ انگلستان نہ گئے کیونکہ ان کو 'لوزک اینڈ کمپنی' کی ملازمت پسند نہیں تھی۔ شاید ان کے لیے تاریخی نوادرات ملک سے باہر بھیجنا ایک تکلیف دہ امر تھا۔[۳۹] وہ اپنے ضمیر پر بوجھ محسوس کرتے تھے کہ اپنے ملک کے قیمتی نوادرات کو صرف پیسے کی خاطر غیروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے یہی بات سوچ کر انھوں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ لوزک کمپنی والوں کو کوئی چیز نہیں بھیجیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے 'لوزک اینڈ کمپنی' سے رابطہ ختم کر لیا۔

۲۰۔ ۱۹۱۹ء میں انھوں نے کچھ مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ ایک اچھے لکھاری تھے۔ تحریر میں پختگی بھی تھی اور شیخ عبدالقادر کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے جس کی وجہ سے ان کے دو مضامین 'قابوس نامہ' اور 'دقیقی' ۱۹۲۰ء میں لاہور سے ''مخزن'' میں شائع ہوئے۔ قابوس نامہ مئی، جون، جولائی، اگست اور ستمبر کے شماروں میں بالاقساط شائع ہوا، اور دقیقی اکتوبر ۱۹۲۰ء کے شمارے میں۔ مضامین کے ساتھ ساتھ ان کی کچھ نظمیں بھی 'مخزن' میں شائع ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء میں مولوی عبدالحق نے اورنگ آباد سے سہ ماہی ''اردو'' جاری کیا تو حافظ محمود شیرانی کے مضامین اس میں بھی شائع ہونے لگے۔ اسی سے ہندوستان بھر میں ان کی علمی شہرت کی ابتدا ہوئی۔

۱۹۲۰ء میں ٹونک میں حقوق طلبی کے ایک مظاہرے کو ریاست کے حکمرانوں نے تحریک خلافت کا شاخسانہ قرار دے کر انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سختی سے کچل دیا اور اس کا تمام الزام ٹونک میں رہنے والے پڑھے لکھے لوگوں پر لگایا گیا کہ انھوں نے سادہ لوح عوام کو ورغلایا اور مظاہرے پر اکسایا ہے۔ چونکہ حافظ محمود شیرانی بھی پڑھے لکھے تھے اور لندن میں کچھ عرصہ رہ کر آئے تھے، انگریز ایجنٹ سے بھی ان کا تعلق رہ چکا تھا اور انگریزوں سے تعلق رکھنے والا ہر شخص حکمرانوں کی نظر میں مشکوک تھا لہٰذا حافظ محمود شیرانی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے مگر حافظ محمود شیرانی کو بروقت پتہ چل گیا اور وہ اپنے ملازم عظیم الدین کو ہمراہ لے کر مسٹر ہالینز کے ہاں پہنچے کچھ روز الہ آباد میں ان کے پاس رہنے کے بعد مارواڑ چلے گئے۔ اسی دوران میں حافظ محمود شیرانی

کا قبیلے کی ایک خاتون سے دوسرا نکاح ہو گیا۔ [۴۰] یہ نکاح حافظ محمود شیرانی نے خاندانی معاملات کو سلجھانے کے لیے کیا۔ اس دوسری بیگم سے ان کی کوئی اولا دنہیں ہوئی۔

ملازمت:

حافظ صاحب نے ذریعۂ معاش کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارے۔ لوزک والوں کو اپنے حصے کی رقم بھیجنے کا لکھا اور اس کے بعد بھوپال جانے کا منصوبہ بنایا تاکہ وہاں جا کر گاؤں اجارہ پر لے کر اپنے لیے معاش کا بندوبست کر سکیں۔ لندن سے جب انھیں ڈرافٹ مل گیا تو وہ اسے کیش کرانے کے لیے اجمیر گئے اور پھر وہاں سے بھوپال آ گئے۔ بھوپال کی آب و ہوا اور جنگل انھیں پسند آیا کہ یہاں انھیں اچھا شکار مل سکتا ہے۔ وہ واپسی کا قصد کر کے مارواڑ آ گئے اور اپنے بیوی بچوں کو بھی بلا بھیجا، چنانچہ ان کی بیوی اپنے دونوں بچوں کو لے کر مارواڑ آ گئی۔ اختر کی عمر سولہ سال ہو چکی تھی۔ حافظ صاحب نے بھوپال جانے سے پہلے اختر کو لاہور جا کر اورینٹل کالج میں داخلہ دلایا۔

اسلامیہ کالج لاہور میں ملازمت:

لاہور سے ابھی وہ مارواڑ واپس پہنچے ہی تھے کہ کچھ روز میں شیخ عبدالقادر نے اسلامیہ کالج میں ان کی بطور لیکچرار تعیناتی کی چٹھی روانہ کی جو حافظ محمود شیرانی کو بروقت نہ مل سکی۔ جب ان کا دوبارہ خط آیا تو حافظ صاحب دسمبر ۱۹۲۱ء میں لاہور آ گئے۔ ان کی ملازمت جنوری ۱۹۲۲ء میں شروع ہوئی۔ مشاہرہ اگرچہ نہایت قلیل یعنی صرف ڈیڑھ سو روپیہ تھا۔ [۴۱] اگرچہ یہ مشاہرہ اور عہدہ ان کی لیاقت سے فروتر تھا، لیکن حالت اضطرار میں انھوں نے اس کو بہت غنیمت سمجھا اور منظور کر لیا۔ [۴۲] اس طرح وقتی طور پر ان کی ملازمت کا مسئلہ حل ہو گیا۔ یونس حسنی ان کی ملازمت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''وہ ۱۹۲۲ء میں اسلامیہ کالج میں اردو فارسی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ مشاہرہ ڈیڑھ سو روپے ماہانہ تھا لیکن حافظ صاحب کو کبھی قلیل المعاشی کا شکوہ نہ رہا۔'' [۴۳]

وہ لاہور میں قلعہ گوجر سنگھ میں کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد میوہ منڈی کے مکان اور اس کے تقریباً ایک سال سے بھی کم مدت میں فلیمنگ روڈ پر ایک عمارت میں منتقل ہو گئے جہاں ریٹائرمنٹ تک رہائش پذیر رہے۔

یہ ملازمت ان کے مزاج اور طبیعت سے میل کھاتی تھی اب وہ کافی آسودہ حالی محسوس کرتے تھے۔ ان کے مالی حالات میں بھی بہتر ہو گئے تھے اور اب وہ سکون اور اطمینان کے ساتھ تحقیق و تدریس میں منہمک ہو گئے۔ وہ فارغ اوقات میں شکار کا شوق ضرور پورا کرتے۔ ہر سال تعطیلات میں مارواڑ چلے جاتے اور تعطیلات سیر و شکار میں گزارتے تھے۔

'پنجاب میں اردو' اور 'تنقید شعر العجم' کی اشاعت:

اسلامیہ کالج لاہور کی ملازمت کے دوران میں انھوں نے دو تحقیقی کام سرانجام دیے۔ 'تنقید شعر العجم' اور دوسرا 'پنجاب میں اردو'۔ تنقید شعر العجم قسط وار سہ ماہی اردو کے شمارہ اکتوبر ۱۹۲۲ء سے جنوری ۱۹۲۷ء تک شائع ہوئی۔ ''پنجاب میں اردو'' انھوں نے علامہ عبداللہ یوسف علی کے کہنے پر لکھی جو کہ اسلامیہ کالج کے پرنسپل بھی تھے اور لندن میں ان کے دوست بھی رہ چکے تھے۔ یہ کتاب اسلامیہ کالج کی انجمن ترقی نے چندہ کر کے شائع کرایا۔ (۴۴) بقول فتح محمد ملک:

> ''پنجاب کی مادری زبان اردو ہے' کے موضوع پر بحث بالآخر ۱۹۲۸ء میں حافظ محمود شیرانی کی عہد آفریں کتاب 'پنجاب میں اردو' کی اشاعت پر تکمیل کو پہنچی۔ حافظ محمود شیرانی نے لسانی تحقیق کے جدید سائنسی اصولوں کی روشنی میں یہ حقیقت روشن تر کر دی کہ اردو کا مولد پنجاب ہے۔''(۴۵)

ان کی یہ کتاب رفتہ رفتہ ایک مقبول نظریے کے طور پر مشہور ہوتی چلی گئی۔

پرانی کتابوں سے دلچسپی:

حافظ محمود شیرانی جس شہر میں بھی جاتے وہاں پرانی کتابوں میں دلچسپی لیتے اور ایسے جگہ ضرور جاتے جہاں ان کو معلوم ہوتا کہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور وہ کوشش کرتے جہاں تک

ان کی استعداد ہوتی وہ اس ذخیرۂ کتب میں سے کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور خرید کر لیتے۔ اس طرح ان کے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوتا گیا۔

''کتابوں کا شوق انھیں اس حد تک تھا کہ کم سے کم خرچ پر اپنا گزارہ کرتے اور جو کچھ بچتا اس سے کوئی پرانی قلمی کتاب خرید لیتے۔''[۴۶]

فروری ۱۹۲۵ء سے ان کے مضامین ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور میں شائع ہونا شروع ہوئے۔ ان کا ایک مضمون رسالہ ''سہیل'' علی گڑھ کے جنوری اور مارچ ۱۹۲۶ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ''زمیندار'' کے مؤقف کی حمایت میں ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے ''زمیندار'' میں بھی ایک مضمون چھپا۔

اختر شیرانی کی شادی:

دسمبر ۱۹۲۶ء میں انھوں نے اپنے بیٹے محمد داؤد خان (اختر شیرانی)[۴۷] کی شادی مارواڑ میں اپنے چھوٹے چچا یعقوب خاں کی نواسی سے طے کی۔

رسالہ ''اردو'' میں ان کا تیسرا مضمون ''ہجو سلطان محمود غزنوی'' اور چوتھا ''زلیخائے فردوسی'' اکتوبر ۱۹۲۱ء اور اپریل ۱۹۲۲ء کے شماروں کی زینت بنے۔

ستمبر ۱۹۲۷ء میں حافظ شیرانی کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں فارسی اور اردو کے لیکچرار شپ کا موقع ملا مگر وہ لاہور چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس سے پہلے وہ عثمانیہ یونیورسٹی کی پیشکش بھی ٹھکرا چکے تھے۔

اورینٹل کالج لاہور میں ملازمت:

یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ان کی ملازمت ''اورینٹل کالج'' لاہور میں بطور اردو لیکچرار ہو گئی۔ اس حوالے سے مولوی محمد شفیع:

''۱۹۲۴ء میں مرحوم مولوی عبدالحکیم صاحب جب ''اورینٹل کالج'' سے سبکدوش ہوئے تو میں نے چاہا کہ شیرانی صاحب اورینٹل کالج میں

آجائیں مگر یہ کوشش بعض وجوہ سے ناکام رہی۔۔۔ بالآخر پنجاب یونیورسٹی
میں اردو لیکچرار کی اسامی کی تخلیق ہوئی اور یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو شیرانی صاحب کا
تقرر لیکچرار کی حیثیت سے ۲۵۰-۲۵-۴۰۰ کے گریڈ میں ہو گیا۔''(۴۸)

اورینٹل کالج لاہور میں اس وقت ایم.اے. اردو کی کلاس نہیں تھی وہ فاضل اردو کے ساتھ ساتھ ایم.اے. فارسی کے طلبہ کو نظم کا پرچہ پڑھایا کرتے تھے اور اس کے علاوہ ریسرچ لیکچرار کی حیثیت سے وہ پبلک لیکچر بھی دیا کرتے تھے۔ حافظ محمود شیرانی کو لیکچرر لگنے کے حوالے سے جو ایک اعزاز حاصل تھا اس کے بارے میں سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

''انھوں نے کسی مضمون میں ایم.اے نہ کیا تھا، اس کے باوصف پہلے
اسلامیہ کالج میں ادبیات فارسی کے استاد مقرر ہوئے پھر پنجاب یونیورسٹی
اورینٹل کالج میں ان کا تقرر ہوگیا جہاں انھوں نے ایم.اے.کی
جماعتوں تک کو پڑھایا۔''(۴۹)

اسی عرصے میں ان کے متفرق موضوعات پروفیسر محمد حبیب کے ''ترجمہ خزائن الفتوح''، پرتھی راج راسا کی ''پرتھی راج راسا'' اور مولانا محمد حسین آزاد کی ''آبِ حیات'' پر تنقیدی مضامین کا سلسلہ سامنے آیا۔ 'اورینٹل کالج میگزین' کے علاوہ 'کاروان' لاہور اور 'غالب' امرتسر میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔

۱۹۳۰ء کے آخر میں 'لوزک اینڈ کمپنی' نے مایوس ہو کر ان کے حصے کے تین سو پونڈ انھیں واپس کر دیے۔ لوزک کی ملازمت سے انھیں عتیقیات اور پرانی چیزیں جمع کرنے کا شوق ہوا۔ جس کی وجہ سے ان کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسی شوق کی نذر ہو جاتا تھا۔ اسی شوق کے طفیل انھوں نے مسکوکات اور مخطوطات کا ایک بڑا اور قیمتی ذخیرہ اکٹھا کر لیا تھا۔ وہ کتابوں اور سکوں کو بڑی محبت اور لگن کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے اور حفاظت سے رکھا کرتے تھے۔ سکوں کے لیے انھوں نے بارہ بارہ یا سولہ سولہ مربع خانوں میں تقسیم پتلی پتلی درازوں والی چھوٹی چھوٹی الماریاں بنوائی ہوئی

تھیں، جن کے درازوں میں سرخ، سبز یا نیلی مخمل بچھی ہوتی تھی۔ ان مخملی خانوں میں وہ سنہری اور روپہلی سکے رکھا کرتے تھے۔ جن کی ترتیب بادشاہوں اور ٹکسالوں کے اعتبار سے ہوتی تھی۔ جبکہ تانبے کے سکے مختلف تھیلیوں میں رکھتے تھے۔ (۵۰) شیرانی کو اپنے ان نوادرات سے حد درجے کا عشق تھا۔

شیرانی کے پاس ایک مجموعہ قدیم دستاویزات کا بھی تھا جس میں بیع نامے، ہبہ نامے، اقرار نامے، استشہادات وغیرہ شامل تھے۔ ان کی تعداد ۸۹ تھی اور ان میں کچھ دسویں صدی کے اور کچھ گیارہویں سے تیرہویں صدی ہجری کے کاغذ تھے۔ ان کے علاوہ ان کے پاس ۱۸۰ مکاتیب تھے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ اور دیگر رؤسائے پنجاب نے پولیٹیکل ایجنٹ لدھیانہ کے نام لکھے تھے۔ ان کی تعداد ۱۸۱ تھی۔ یہ دونوں مجموعہ دستاویزات اور مکاتیب ابتدائے ۱۹۴۶ء میں پنجاب یونیورسٹی نے ان سے خرید لیے۔ (۵۱)

۱۹۳۳ء میں میر قدرت اللہ خان قاسم کا تذکرہ ''مجموعہ نغز'' پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہوا۔

لاہور میں ان کے دوستوں کا حلقہ محدود تھا۔ ان کے چیدہ چیدہ دوستوں میں سر شیخ عبدالقادر، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، پروفیسر سراج الدین آذر، پروفیسر محمد فضل الدین قریشی، پروفیسر سید طلحہ، پروفیسر سید عبدالباسط، پروفیسر فضل حق، پروفیسر سید عبدالقادر، ڈاکٹر صادق حسین (ایم بی بی ایس) کے نام شامل تھے۔ لاہور سے باہر جن احباب اور دوستوں سے خط و کتابت رہتی تھی ان شخصیات میں مولوی عبدالحق، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قاضی عبدالودود بارایٹ لا، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، پروفیسر محمد ابراہیم ڈار کے نام شامل تھے۔ ۱۹۳۵ء میں انھوں نے اردو کی گوجری شاخ پر تحقیق کے لیے کاٹھیاواڑ کا سفر کیا۔ گجرات کے راستے میں جے پور اترے اور وہاں مہدوی فرقے کی گوجری اور راجستھانی اردو میں لکھی گئی کتابوں کا مشاہدہ و مطالعہ کیا۔ اس کے بعد احمد آباد میں کتب خانۂ درگاہ پیر محمد شاہ، کتب خانہ سید بڑے صاحب، کتب خانہ سید جلال الدین مشہدی، اور کتب خانہ حسینی کا بھی دورہ کیا۔ بمبئی میں محمدیہ اسکول اور پروفیسر اشرف ندوی کے مجموعے ملاحظہ کیے اور بڑودہ میں جامع

مسجد کی لائبریری میں بھی کتابیں دیکھیں۔ (۵۲)

مدت ملازمت میں توسیع:

۱۹۳۸ء میں ان کی ملازمت ختم ہونے والی تھی مگر حافظ صاحب ابھی لاہور سے جانا نہیں چاہتے تھے چنانچہ ان کے چاہنے والوں اور مداحین نے جن میں علامہ اقبال بھی پیش پیش تھے۔ وائس چانسلر کے نام اس حوالے سے کئی خطوط لکھے۔ طویل جدوجہد کے بعد جب اکتوبر ۱۹۳۸ء میں میاں افضل حسین جامعہ کے وائس چانسلر مقرر ہوئے تو حافظ شیرانی کو مدت ملازمت میں دو سال کی توسیع مل گئی۔ (۵۳)

مولوی عبدالحق نے جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری کو خیر باد کہہ کر نومبر ۱۹۳۸ء میں انجمن کا دفتر دہلی منتقل کر دیا۔ (۵۴) اور ان کا اصرار تھا کہ حافظ محمود شیرانی دہلی آئیں اور اپنے مضامین کو کتابی شکل دیں اور ساتھ ہی اختر شیرانی ترجمے کا کام کریں۔ ۱۹۳۸ء میں ان کو دمے کی شکایت ہوئی اور پھر چند سال میں یہ عارضہ بڑھتا چلا گیا۔

انجمن ترقی اردو ہند دہلی کے زیر اہتمام دسمبر ۱۹۳۹ء میں ٹاؤن ہال دہلی میں علمی نمائش لگائی گئی تو حافظ محمود شیرانی اور پروفیسر اقبال اپنے علمی نوادرات اور کتابوں کی ایک لاری بھر کر بارہ گھنٹے کے سفر کے بعد دہلی پہنچے اور انھوں نے اس نمائش میں بھرپور شرکت کر کے اسے کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (۵۵)

اورینٹل کالج کی ملازمت سے فراغت:

۱۴ نومبر ۱۹۴۰ء کو حافظ محمود شیرانی کو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کی ملازمت سے فراغت حاصل ہوگئی۔ بقول حافظ محمد اقبال جب حافظ صاحب اورینٹل کالج سے ریٹائر ہوئے تو چار سو روپے ماہوار پا رہے تھے۔ (۵۶) اس کے بعد انھیں قواعد وضوابط کے مطابق ساڑھے آٹھ ماہ فرلو (Furlough) کے مل گئے اور اس عرصہ میں وہ لاہور میں ہی رہے۔ وہ لاہور میں رہتے ہوئے اپنی لائبریری کو کسی محفوظ جگہ منتقل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تو یہ تھی کہ وہ اپنی

لائبریری پنجاب یونیورسٹی کوتحفہ کےطور پر دے دیں مگر ان کے مالی حالات ایسے نہ تھے کہ وہ اس انداز کی سوچ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوتے۔ ۱۹۴۰ء میں وہ ٹونک جانے سے قبل ۱۸۷۲ کتابیں ۱۶۶ دیگر مختلف اشیاء یونیورسٹی لائبریری میں پہنچا چکے تھے۔ پرنسپل محمد شفیع کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لائبریرین لالہ لبھو رام کے بارے میں ۱۳۔ اگست ۱۹۴۰ء کے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''لالہ لبھو رام نے ابھی تک مجھے اپنے ہاتھ کی کوئی رسید نہیں دی ہے میں ان کو ۱۸۷۲ کتابیں + ۱۶۶، اشیاء مشتمل بر کتب وفرامین واسناد وقطعات وتصاویر وغوری وغیرہ بھجوا چکا ہوں۔''(۵۷)

حافظ صاحب نے لائبریری کمیٹی کے لیے ۳۶ صفحات پر مشتمل ایک تعلیقہ تیار کیا جس میں انھوں نے اپنے کتابوں کے ذخیرے کی تفصیل رقم کی اور دو صفحات پر اپنے سونے چاندی کے مسکوکات کی فہرست بھی ضمیمہ کے طور پر شامل کر دی۔

حافظ محمود شیرانی نے اس مجموعے کی قیمت صرف سترہ ہزار روپے طلب کی تھی اور وہ سونے چاندی کے سکے وزن کے اعتبار سے بازار کی قیمت پر دینے کے لیے تیار تھے۔ اصل مشکل یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ یہ سب کچھ خریدا جا سکے بہر حال کتب کا ذخیرہ لازمی طور پر خرید کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

سنڈیکیٹ نے ۷ مارچ ۱۹۴۱ء کے اجلاس میں لائبریری کمیٹی نے کلی رپورٹ متفقہ طور پر منظور کرتے ہوئے حکومت پنجاب سے سترہ ہزار کی خصوصی گرانٹ حاصل کرنے کے لیے درخواست دینے کا فیصلہ کیا اور یہ بھی مشورہ دیا کہ حکومت پنجاب لاہور میوزیم کے لیے غوریوں، تصویروں اور سکوں کا ذخیرہ حاصل کر لے۔ (۵۸)

ریٹائرمنٹ کے بعد ٹونک روانگی اور قیام:

حافظ محمود شیرانی جب اورینٹل کالج سے ریٹائر ہو کر اپنے وطن ٹونک چلے گئے تو بابائے اردو

مولوی عبدالحق صاحب کی دعوت قبول کر کے آپ (غالباً ۱۹۴۲ء کے شروع میں) دلی پہنچے اور انجمن ترقی اردو کے مستقر (نمبر 1 دریا گنج) میں مقیم ہوئے۔ بقول داؤد رہبر یہ ایک طرح کی ملازمت ہی تھی۔ مشاہرہ کتنا تھا؟ فرائض کیا تھے؟ اور قیام کتنی مدت رہا یہ تفاصیل معلوم نہیں ہوسکیں۔ اپنے والد سے البتہ میں نے سنا کہ یہ قیام چند مہینوں سے زیادہ کا نہ تھا۔ استعفٰی دے کر جلد ہی واپس ٹونک چلے گئے اس کی وجہ صحت کی خرابی تھی اور انجمن میں ادائے فرائض کا عدم تعین تھا، اگر ان کے لیے وہاں کے مشاغل میں باقاعدہ تدریس شامل ہوجاتی تو ممکن ہے آپ کا دل وہاں لگ جاتا۔ (۵۹)

حافظ محمود شیرانی کی کتب فردوسی پر چار مقالے اور تنقید شعرالعجم انجمن ترقی اردو نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیں۔

ٹونک میں حافظ صاحب مکان کی دوسری منزل میں رہتے جہاں ایک بڑے کمرے میں ان کی کتابیں، سکے اور دوسرے آثار عتیقہ رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے کمرے میں ایک طرف ان کا پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر وہ کام بھی کرتے رہتے جہاں اِردگرد اُن کی کتابیں بکھری پڑی رہتیں اور دائیں جانب کاغذ اور قلم دوات رکھے رہتے۔ وہ فاؤنٹین پین سے لکھنے کے بجائے ریف کی نب ہولڈر میں لگا کر ہمیشہ سوان انک سے لکھا کرتے تھے۔ پلنگ کے ساتھ ملاقاتیوں کے لیے چند کرسیاں پڑی رہتی۔ وہ جب سکوں میں منہمک ہوتے تو ایسے موقعوں پر اکثر کھانا کھانا بھی بھول جاتے۔ مکان کی نچلی منزل میں اختر شیرانی اپنے افراد خانہ کے ساتھ رہتے تھے۔ (۶۰)

یونیورسٹی کی ملازمت کے دوران میں وہ نہ صرف پنجاب یونیورسٹی بلکہ مختلف دوسری یونیورسٹیوں کے امتحانات (از میٹرک تا ایم اے، علوم شرقیہ کے امتحانات) کے ممتحن، صدر ممتحن اور پرچہ بنانے والے بھی رہے۔ یہ سلسلہ ان کی ملازمت ختم ہونے کے بعد ٹونک آجانے کے بعد بھی جاری رہا۔ (۶۱)

۴۳-۱۹۴۲ میں ان کے مرض میں پھر اضافہ ہوگیا۔ وہ دریائے بناس میں ٹکراج گھاٹ (بند جانباز) پر فالیز کے قریب سرکنڈوں کا جھونپڑا بنا کر اس میں رہنے لگے۔ یہ جگہ شہر

سے تین چار میل دور تھی۔ ۲۹، اگست ۱۹۳۹ء کو اپنے ایک خط میں ڈاکٹر اقبال کو لکھتے ہیں:

> ''یہاں دریا کے کنارے کے قریب پھوس کا ایک جھونپڑا ڈلوایا ہے اس کے پاس کھیت ہیں اور بیچ میں مابدولت کا جھونپڑا، ہم جس میں فرعون بے سامان بنے بیٹھے ہیں، دل میں آئی سو گئے ورنہ کتاب دیکھتے رہے یا اپنا کام کرتے رہے، برسات کی وجہ سے منظر نہایت پر لطف ہے ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو سرتاپا سبز ہے دوسری طرف ندی ہے جو جنوبی سمت سے آ کر موڑ کھاتی ہوئی شمالی رخ سے ہوتی ہوئی مشرق کو نکل گئی ہے۔تازہ ہوائیں ہر وقت چل رہی ہیں، عصر سے خنکی ہو جاتی ہے رات کو معلوم نہیں کیا حالت رہتی ہے، میں تو مغرب کے وقت یہاں سے رخصت ہو جاتا ہوں اور گھر پہنچ جاتا ہوں۔''(۶۲)

دریائے باناس کے کنارے لکرا جوڑی تانگہ خرید لیا تھا۔ پوتے پوتی کو لے کر ان کی چھوٹی دادی کے ہمراہ تانگے میں ندی پر پہنچ جاتے، اور ایک پر سکون رات گزارنے کے بعد صبح سویرے تانگے کی ٹھوکر خربوزوں سے بھرا کر شہر واپس لوٹتے۔ کچھ خربوزے گھر رکھ لیتے باقی دوستوں اور عزیزوں میں تقسیم کر دیتے۔(۶۳) مولوی عبدالحق بھی ہاشمی فرید آبادی کے ہمراہ ان کے اصرار پر مئی ۱۹۴۳ء میں دریائے باناس کے کنارے ان کے پاس تشریف لائے اور تین دن قیام کیا۔ مظہر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''اس موقع کے لیے ندی پر خصوصی انتظامات کیے گئے، خیمے ڈیرے ایستادہ ہوئے، چوکیوں اور چاندنیوں کے فرش بچھے اور فرنیچر مہیا ہوا۔ مولوی صاحب دیکھ کر پھڑک اٹھے اور بے اختیار کہنے لگے'' ظالم تو نے تو جنگل میں منگل کر دیا۔'' وہ دن کو شہر میں اردو کی مجلسوں، تقریبوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے اور عصر کے وقت ندی پر پہنچ جاتے، غرض تین دن بڑی رونق رہی۔ مولوی صاحب کو وداع کرتے وقت حافظ

صاحب نے چند قلمی کتابیں اور کچھ نقد روپیہ انجمن کے لیے عطیے کے طور پر پیش کیا۔"(۶۴)

۱۹۴۳ء ہی میں حافظ صاحب دہلی گئے اور وہاں سے رامپور بھی، اسی سال ان کی کتاب "پرتھی راج راسا" انجمن ترقی اردو نے شائع کی۔ اگلے سال ۱۹۴۴ء میں ان کی کتاب "خالق باری" انجمن ترقی اردو سے شائع ہوئی۔ ندی کی خوشگوار آب وہوا کی وجہ سے انھوں نے مستقل طور پر وہیں قیام کا ارادہ کیا۔ ایک نسبتاً بڑی جھونپڑی بنوائی اور ساتھ ہی جستی چادروں کی مدد سے ایک باورچی خانہ بھی تیار کرایا۔ ۹، اکتوبر کو ان کا ایک اور پوتا تاثیر محمود پیدا ہوا۔ انھوں نے اس کا نام اختیار سلطان رکھا تھا۔(۶۵) اکتوبر ہی میں وہ وبائی بخار کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئے۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۳ء کو اپنے ایک خط میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کو لکھتے ہیں:

> "میں کیا سارا شہر ٹونک بخار ا بنا ہوا تھا۔ اب بھی سردی کے دو ماہ گزر جانے کے باوجود شہر میں بخاری بکثرت موجود ہیں۔۔۔ اموات بھی کثرت سے ہوئی ہیں لیکن میں تو کھائی سے نکل کر کنویں میں گرا ہوں۔ یعنی ضیق النفس کے دوروں میں مبتلا ہوں۔ بخار، کھانسی، بلغم اور شب بیداری کا دوردورہ ہے۔ دن کو گھنٹے دو گھنٹے کے واسطے سوسکتا ہوں۔ ابھی سخت دورے شروع نہیں ہوئے لیکن سہا جارہا ہوں۔ جس زندگی پر موت کو ترجیح دی جائے وہ یہی زندگی ہے۔"(۶۶)

ان خوفناک دوروں کے علاج کی غرض سے وہ ۲۱ جنوری ۱۹۴۴ء کو جے پور گئے اور لیڈی ولنگٹن ہسپتال میں داخل ہوئے۔ وہاں کچھ افاقہ ہوا تو وہ جنوری کے وسط میں ٹونک واپس آ گئے۔ یہاں دوبارہ ان کو دورے شروع ہو گئے۔ سردی کا زور ٹوٹنے کے بعد کچھ طبیعت سنبھلی تو 'خالق باری' کا کام مکمل کر کے مولوی عبدالحق کو بھجوایا۔ پھر مولانا محمد حسین آزاد اور ذوق کے دیوان کی جانب متوجہ ہوئے جس کا وعدہ وہ ڈاکٹر عبدالستا صدیقی سے کر چکے تھے۔ اکتوبر نومبر ۱۹۴۴ء کو انھیں ملیریا بخار ہوا۔ ۴۵۔۱۹۴۴ء کے موسم سرما میں وہ دمہ کے دوروں سے قدرے محفوظ رہے۔

انھوں نے سوچا کہ ندی پر جھونپڑے کی جگہ اپنی زمین کے قریب ایک چھوٹا سا مکان تعمیر کرالیں۔ اس کے لیے انھوں نے صدر نظامت ٹونک میں درخواست دی اور ۱۵ فروری ۱۹۴۵ء کو انھیں قطعہ اراضی کے حصول کی اجازت مل گئی۔ انھوں نے مکان کی بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کرایا۔ زمین پر باغ لگانے کا بھی منصوبہ بنایا جس کے لیے امرودوں کا بیج بھی منگوایا گیا۔ امرود کے ساتھ ساتھ انار کے پودے بھی لگوائے اور بڑی فالیز بھی لگوائی۔ اپریل ۱۹۴۵ء ہی سے ان کی طبیعت خراب رہنے لگی، مئی کے آغاز ہی سے دورے پڑنے لگے، نیند کم ہوتے ہوتے ختم ہوگئی۔ پٹنہ کے ایک پڑھے لکھے مارواڑی سیٹھ کرشنا جالان کو انھوں نے اپنے مسکوکات کا ذخیرہ ۲۳ ہزار روپے میں فروخت کیا۔ ۱۹۴۵ء کے آخری دنوں میں ان کی طبیعت مزید بگڑتی چلی گئی اور انتہائی حسرت کے عالم میں انھوں نے کچھ اشعار موزوں کیے:[۶۷]

آئی نسیم باغ میں مرغِ سحر چلے	اے پا فگار اٹھ کہ ترے ہم سفر چلے
ظاہر ہوا اس آمد و شد کا نہ مدعا	آئے تھے بے خبر وہی ہم بے خبر چلے
پیٹا کئے نصیب کا لکھا تمام عمر	جس کام کو ہم آئے تھے وہ کام کر چلے
جاتے ہیں خالی ہاتھ گلستانِ دہر سے	اک سنگِ آرزو ہے جو سینے پہ دھر چلے
اے رہروانِ منزلِ ہستی بتاؤ تو	آئے ہو تم کہاں سے یہاں اور کدھر چلے
مت پوچھ بزمِ یار کا احوال ہم صفیر	ہنستے ہوئے ہم آئے تھے با چشمِ تر چلے
ہم ایسے ٹھہرے منزلِ فانی میں جس طرح	آئے سرا میں شب کو مسافر سحر چلے
فرصت ملی نہ ٹھہرنے کی باغِ دہر میں	مثلِ نسیم ہم ادھر آئے اُدھر چلے
اللہ خیر کیجیو، رہزن ہے گھات میں	آتے ہیں لوگ قافلے کے بے خبر چلے
مجنون و کوہکن گئے اور ہم بھی جائیں گے	یعنی وہ ہم سے چند قدم پیشتر چلے
ہر ہر قدم پہ ہے یہاں کھٹکا لگا ہوا	رہرو نہ راستے میں کبھی بے خطر چلے

اسی طرح سفر آخرت اور فنا کے حوالے سے یہ دو شعر بھی اہمیت کے حامل ہیں جو انھوں نے اسی دور میں کہے:

لے توشہ رہ ساتھ اپنے اور کوچ کی کر تیاری
تنہا تجھے جانا ہوگا، ہوگا نہ کوئی ہم راہی
ہر شے فنا آمادہ ادنیٰ ہو وہ یا ہو اعلیٰ
درویشوں کی کیا درویشی کیا شاہوں کی شہنشاہی

حافظ محمود شیرانی زمانۂ طالب علمی میں شاعری کیا کرتے تھے لیکن جذبات کی رقت نے ان سے یہ شعر کہلوائے ۔ وہ اپنی چارپائی پر تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو کر دونوں ہاتھوں کو سر کے پیچھے باندھے، خلاؤں میں جانے کیا تکتے رہتے اور ان اشعار کو گنگناتے رہتے ۔ (۶۸)

وفات اور تدفین:

حافظ محمود شیرانی کی طبیعت ۴۶-۱۹۴۵ء کی سردیوں میں زیادہ ناساز تھی وہ ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے شہر آ گئے ۔ ان کو اکثر دمے کے دورے پڑتے جس سے وہ بے حال ہو جاتے ۔ حکومت نے ہزار روپے کے نوٹ تبدیل کیے تو ان کے پاس سکوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم انھی نوٹوں پر مشتمل تھی وہ انھیں تبدیل کرانے دہلی روانہ ہوئے ۔ مگر جے پور کے اسٹیشن پر انھیں سخت دورہ پڑا اور وہ رقم ولی احمد خان کے صاحبزادے خلیل احمد خان کے سپرد کر کے خود واپس آ گئے ۔ خلیل احمد خان نے یہ نوٹ تبدیل کرا کے شیرانی کو بھجوا دیے جو ۴ فروری کو شیرانی صاحب کو موصول ہو گئے ۔ دو تین دن شہر رہنے کے بعد ندی پر تشریف لے گئے ۔ انھوں نے یہ نوٹ دونوں بیویوں اور اختر شیرانی کے چاروں بیٹے بیٹیوں کے نام پر رتلام والے ہندو ساہوکار کے پاس جمع کرا دیے ۔ (۶۹)

۱۳ فروری کو ان کی طبیعت مزید بگڑ گئی ۔ ڈاکٹر ڈیسائی ان کا علاج کرتے رہے ۔ ۱۵ فروری کو ڈاکٹر ڈیسائی سول سرجن کو لے آئے، جس نے حافظ صاحب کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ انھیں دوا کی نہیں بلکہ اب دعا کی ضرورت ہے ۔ ۱۵ فروری ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ رات سوا دس بجے حافظ صاحب انتقال فرما گئے ۔ دوسرے روز ان کی میت ندی کے کنارے

پہنچادی گئی جہاں انھیں ان کی وصیت کے مطابق مکان کے لیے کھودی گئی بنیادوں کے درمیان دفن کردیا گیا۔ (۷۰) حافظ محمود شیرانی نے ٦٤ سال ٤ ماہ کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

گھاٹ پر اپنے ذاتی باغ میں حسبِ وصیت دفن کیے گئے۔ حافظ عبداللہ البصیر ٹونکی نے تاریخ وفات کہی:

برلب باناس درروادی اقامت گاہ کرد

۱۳٦۵ھ

تابباردابرِ رحمت برمقام بے کسی

۱۹۴٦ء

سید ہاشمی فرید آبادی نے بھی تاریخ کہی تھی:

بت جعل وریا کے توڑ گیا، ہاں نام وہ اپنا چھوڑ گیا

محمود کے گرز سے کیا کم تھی شیرانی کی شمشیرِ قلم (۷۱)

حافظ محمود شیرانی نے اپنے پیچھے دو بیویاں ،ایک فرزند،دو پوتے اور دو پوتیاں چھوڑیں۔

سیرت و کردار:

حافظ محمود شیرانی صحیح معنوں میں ایک محنت پسند، خوددار، بے لوث اور مخلص انسان تھے۔ انھوں نے شروع ہی سے محنت کو اپنا شعار بنایا۔ وہ درحقیقت ایک سیلف میڈ انسان تھے جنھیں اپنے والد کی جائیداد میں سے بھی کوئی حصہ نہیں ملا اور انھیں انگلستان میں بھی اپنی تعلیم اور روزمرہ اخراجات کے لیے رقم کے حصول کی خاطر مختلف قسم کے کام کرنا پڑے۔ وہ ایک صلح جو انسان تھے جو اپنے عزیزوں، رشتے داروں اور بہن بھائیوں سے اچھے خوشگوار تعلقات رکھنا چاہتے تھے اسی لیے جب ان کے بھائی نے والد کی وفات کے بعد تمام نقدی اور اثاثوں پر قبضہ جمالیا تو حافظ صاحب نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اپنی اس کوشش میں وہ ناکام رہے۔ اپنے

بھائی کے رویے کے برخلاف وہ اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے ساتھ انگلستان لے گئے اور وہاں انھوں نے اپنے اخراجات کے لیے بھی محنت کی اور چھوٹے بھائی کا خرچ بھی برداشت کیا۔

حافظ محمود شیرانی اپنے والدین کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ اپنے والد محترم کا خیال رکھتے، جب وہ انگلستان گئے تو برابر ان کو خطوط لکھتے رہے اور ان کی آخری عمر میں جب کہ وہ بیمار تھے اور چند دنوں کے مہمان تھے ان کی ڈھارس بندھائی اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی کی کوشش کی۔ حافظ محمود شیرانی بھائیوں سے محبت کرتے تھے اسی لیے جائیداد اور اثاثوں کی لڑائی میں انھوں نے فریق بننا پسند نہیں کیا۔ سادہ مزاج تھے، کھانے میں سادہ غذا پسند کرتے تھے، مگر جب مہمان نوازی کا وقت ہوتا تو کبھی پیچھے نہ ہٹتے اور اپنی بساط سے بڑھ کر مہمان کی خاطر مدارت کرتے تھے۔ (۷۲)

وہ کھانے میں اعتدال سے کام لیتے تھے صرف ایک چیز جس میں وہ بے اعتدالی کے مرتکب ہوئے، وہ سگریٹ نوشی تھی۔ کئی سال تک تیس چالیس سگریٹ روز پیتے رہے آخر صحت پر اس کا برا اثر پڑا۔ دمے کی تکلیف جب بڑھ گئی تو اس عادت کو چھوڑنا پڑا۔ (۷۳) مگر دمے کی تکلیف نے انھیں نہیں چھوڑا۔

حافظ عالم تھے اور علم دوست بھی، اپنی ذات سے زیادہ کتابوں اور دیگر نوادرات پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ وہ جہالت سے نفرت کرتے تھے۔ علم میں نام پیدا کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ چھوٹے بھائیوں کو بھی تعلیم کی طرف توجہ دلاتے، وہ تعلیم کی اہمیت سے باخبر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں علم کا جویا ہوں۔ وہ جوہر اخلاق اور جوہر علم کو ایک اہم خوبی قرار دیتے تھے۔ طبیعت میں انتقام نہ تھا، درگزر اور معافی سے کام لیتے تھے، کسی سے نفرت ہوتی تو عمر بھر اس کی شکل نہ دیکھتے۔ تنہائی پسند تھے، شہرت سے بھاگتے تھے، فوٹو سے پرہیز کرتے تھے۔ (۷۴)

جب تک اسلامیہ کالج میں رہے پیدل کالج جایا کرتے تھے، اورینٹل کالج دور ہونے کی وجہ سے تانگے کا انتظام کرنا پڑا۔ سادہ غذا پسند کرتے تھے عموماً پتلے پتلے پھلکے شوربے میں بھگو کر کھایا کرتے تھے۔ لباس میں سوٹ کے ساتھ ترکی ٹوپی استعمال کرتے تھے پاؤں میں ہر موسم میں

فل بوٹ پہنا کرتے ،شکار کے موقعوں پر خاکی برجیس اور خاکی کوٹ ہوتا تھا۔گھر میں بغیر کالر کی قمیص اور سفید پاجامے کے ساتھ پیروں میں گرگابی ہوا کرتی تھی۔لاہور کے قیام کے دوران میں نظر کمزور ہونے کے سبب لکھتے پڑھتے وقت عینک لگایا کرتے تھے۔دانتوں کے لیے ببول کی مسواک استعمال کرتے تھے۔جوانی میں بڑی بڑی مونچھیں رکھتے تھے، پھر ہلکی کرتے گئے۔بال سفید ہونے کے بعد لاہور میں کچھ عرصہ سر پر مہندی لگواتے رہے،ہٹلری انداز کی مونچھیں رکھ لیں ،دماغی کام کی زیادتی کی وجہ سے سر پر بال بہت ہلکے ہوگئے تھے۔قد اور جسم متوسط اور رنگ تیز گندمی تھا۔آخری عمر میں جسم کچھ بھاری ہوگیا تھا۔ (۷۵)

حافظ محمود شیرانی ایک ایسے انسان تھے جو ہر ایک آدمی سے خوش اخلاقی ،محبت اور ہمدردی سے پیش آتے۔وہ اپنے دوستوں سے اچھا رویہ رکھتے تھے اور عزیز واقارب سے حسنِ سلوک روا رکھتے تھے،شاگردوں سے ان کا رویہ مشفقانہ ہوتا تھا۔مطالعے کے بے حد شوقین تھے،وہ لگاتار کئی کئی گھنٹے مطالعے میں مصروف رہا کرتے تھے۔بقول یونس حسنی:

”محمود صاحب جتنے بڑے آدمی تھے اتنے بڑے انسان بھی تھے علمیت کی سطح فائقہ پر مامور ہوتے ہوئے بھی وہ منکسر المزاج آدمی تھے۔“(۷۶)

بڑے محنتی ،جفاکش اور صابر انسان تھے۔وسیع خاندان کے کفیل تھے مگر ہمیشہ صبر وقناعت پر عامل رہے اور معاشی دشواریوں نے انھیں کسی عالم میں بھی علمی مصروفیات سے بے نیاز وبددل نہیں ہونے دیا۔علم وتحقیق کا جو مذاق انھیں قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا اور جس پر قیام یورپ نے جلا کردی تھی اس نے انھیں ایک فرد کے بجائے ایک ادارہ بنادیا تھا۔ (۷۷) وہ بہت حوصلہ مند تھے، جیسے بھی حالات اور جتنے بھی کم وسائل ہوں وہ پھر بھی کام کرنے سے نہیں گھبراتے تھے۔

حافظ محمود شیرانی کی طبیعت میں جو انکسار تھا وہ کسی اور کے ہاں دیکھنے میں نہیں آیا وہ ایک ایسا شخص تھا جو آٹھ نو سال تک یورپ کی زندگی کے نشیب وفراز دیکھنے کے بعد اپنی زندگی کے

کئی سال ایک ایسے کمرے میں گزار دیتا ہے جس میں چٹائی پر ایک چاندنی اور گاؤ تکیے کے سوا کوئی فرنیچر نہ تھا۔ اسی سادہ فرش پر بیٹھ کر اس شخص نے وہ عالمانہ اور فاضلانہ مقالے لکھے کہ بڑے بڑے فضلا کے قلم توڑ دیے۔ (۷۸) حافظ محمود شیرانی سادہ مزاج تھے اور کسی بھی قسم کے حالات میں موسم کی شدت سے نہیں گھبراتے تھے بلکہ اپنے کام پر توجہ رکھتے تھے۔ عبدالقادر ایک بار ان سے ملنے گئے تو وہ ان الفاظ میں شیرانی کا نقشہ کھینچتے ہیں:

> ''گرمی کی وجہ سے ایک ہلکا سا بنیان پہنے ہوئے تھے اور کمر کے گرد صرف ایک چھوٹا سا تہ بند باندھے بیٹھے تھے۔ پنکھا نہ دستی نہ بجلی کا۔ نہ گرمی سے بچنے کی فکر نہ پروا۔ کتابیں اور وہ۔ گرد و پیش فرامین اور سکّے۔ یہ پروفیسر محنت کے لحاظ سے مغربی پروفیسروں سے زیادہ اور آسائش اور ماند و بود میں کسی مسجد کے مُلّا سے زیادہ سادہ تھا۔'' (۷۹)

حافظ محمود شیرانی ہونہار اور مستعد طالب علموں کی رہنمائی اور افادہ کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ ان کے بارے میں کوئی روک ٹوک، وقت، قاعدے کی پابندی نہ تھی، بے حد تکلیف اور پریشانی کی حالت میں بھی اس علمی فرض سے غافل نہ رہتے۔ جن لوگوں کی لیاقت اور استعداد پر انھیں بھروسہ ہوتا، ان کی تربیت اولاد سے زیادہ کرتے تھے۔ نہ صرف علمی مشکلات بلکہ ان کی ہر قسم کی تکلیفوں کو دور کیا کرتے تھے۔ (۸۰) ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں:

> ''وہ ایک نہایت شفیق اور رحمدل استاد تھے اور اپنے پسندیدہ شاگردوں کو بچوں سے زیادہ عزیز جان کر ان کی زندگی کے ہر رخ میں دلچسپی لیتے تھے اور اپنی بساط کے مطابق ان کی مدد بھی کرتے تھے۔'' (۸۱)

حافظ صاحب فراخ دل اور سخی تھے، کنجوسی اور بخل کو ان کی طبیعت میں دخل نہ تھا۔ انھوں نے کچھ زرعی اراضی کے قطعات خرید کر لیے تھے۔ وہ مقامی کسانوں سے ان میں کاشت کرواتے اور حاصل ہونے والی جنس فراخدلی سے لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ وہ اپنے ارد گرد کے ان غریب

کسانوں کو جو ضرورت کے وقت کسی ساہوکار معمولی قرضہ حاصل کر لیتے تھے اور پھر اس سود در سود کے جال سے نہ نکل پاتے تھے؛ چھوٹی چھوٹی رقمیں بطور قرض حسنہ دے کر ان کی جان چھڑا دیتے جس کی وجہ سے یہ مفلس لوگ ان کی پرستش کی حد تک عزت کرتے۔ (۸۲) بظاہر وہ نماز کو پابندی سے ادا نہ کرتے تھے مگر اس کوتاہی کے باوجود وہ ایک غیور مسلمان تھے۔ (۸۳)

حافظ محمود شیرانی طبعی انکسار، شہرت طلبی سے نفرت کے علاوہ جدید تر ذوق علمی رکھتے تھے۔ وہ امن و آشتی کے خواہشمند اور مصالحت پسند تھے۔ (۸۴) مولوی محمد شفیع ان کی سیرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اگر لاہور کی گرانی مانع نہ ہوتی تو ان کے احباب ان کو لاہور سے ہرگز جانے ہی نہ دیتے اس لیے کہ ایسے سبک روح، شریف طبیعت، خوش خلق، خالص الوداد فاضل دوست کی ہم صحبتی دنیا کی بہترین نعمتوں میں شمار ہونے کے لائق تھی۔'' (۸۵)

جوہر اخلاق اور جوہر علم کو خوبی گردانتے اور امیری پر غریبی کو ترجیح دیتے تھے، اسی لیے غربت اور غریبوں سے محبت کرتے تھے۔ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے۔ جہالت سے نفرت کرتے تھے اور علم میں نام پیدا کرنے کی آرزو رکھتے تھے وہ کہتے تھے کہ میں علم کا جویا ہوں۔ تعلیم کی اہمیت سے باخبر تھے اپنے بھائیوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلاتے، خاندان اور بھائیوں سے لگاؤ رکھتے تھے اور اقرباء کو عزیز رکھتے تھے۔ علم اور لیاقت سے محبت رکھتے تھے۔ پیسے کا لالچ نہیں تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر ہالینس کو ہفتے میں دو بار مفت پڑھانے جایا کرتے تھے۔ بچوں سے پیار کرتے تھے۔ پرندوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ اتنے پڑھے لکھے اور محقق ہونے کے باوجود خشک مزاج نہیں تھے بلکہ ہنس مکھ تھے۔ ان کی طبیعت میں خوش مزاجی تھی اکثر ظرافت کی باتیں بھی کرتے تھے۔ (۸۶) ان کی طبیعت میں ظرافت کے حوالے سے مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں:

> ''شیرانی کا انداز عموماً سنجیدہ اور متین تھا مگر حسب موقع ان کے کلام میں

ظرافت کی چاشنی بھی موجود ہوتی تھی گو ادب کا پہلو وہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے
دیتے تھے۔ان کی گفتگو کو میں نے کبھی دلچسپی سے خالی نہ پایا۔"(۸۷)

ان کے مزاج میں خشکی ،ترش روئی اور سختی کے عناصر نہیں تھے، بلکہ وہ ایک صلح جو اور معاملات کو سمجھنے والے انسان تھے۔اگر ان کی طبیعت میں کہیں دو رنگی نظر بھی آتی ہے تو وہ انسانی مزاج اور فطرت کی وجہ سے ہے۔ان کی سیرت کے حوالے سے سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"حافظ صاحب کی طبیعت میں متضاد سے عناصر جمع تھے وہ متحمل بھی تھے
، بے چین اور بے قرار بھی، علمی تحقیق میں بہت صبر سے کام لیتے تھے لیکن
کچھ زود رنج بھی تھے۔"(۸۸)

حافظ محمود شیرانی غذا وغیرہ میں اور عام طور وطریق میں سادگی برتتے تھے گھر میں عموماً فرش پر نشست برخاست رکھتے تھے اور فرش ہی پر بیٹھ کر لکھتے پڑھتے تھے۔(۸۹) پردے کے حامی تھے،تنہائی پسند اور شہرت سے دور بھاگنے والے تھے۔اگر انھیں کسی سے نفرت ہوتی تو عمر بھر اس کی شکل نہ دیکھتے۔سادہ مزاج تھے۔اس لیے عمر کا ایک طویل حصہ ندی پر جھونپڑے میں سادگی سے گزار دیا۔وہ حلال روزی کے حصول کے خواہشمند تھے۔(۹۰)

پروفیسر شیرانی دشوار پسند طبیعت کے مالک تھے،اس لیے نئی دریافتوں کے علاوہ بعض نہایت ہی مشکل فنون کی طرف خاص طور سے متوجہ تھے۔فن تاریخ گوئی کے رموز کے ماہر تھے اور مشکل سے مشکل جملوں اور شعروں سے بڑی آسانی سے تاریخ نکال لیتے تھے۔(۹۱)

وہ متین اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے جس میں شگفتگی پائی جاتی تھی۔ذہین اور خود اعتماد تھے۔کم سخن تھے اور اچھے اخلاق کے مالک تھے۔وقت کے پابند،ملنسار اور وضعدار انسان تھے۔بڑوں کی عزت کرتے ،چھوٹوں پر شفقت کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ان کی باتیں نہایت عالمانہ، پرلطف اور معلومات سے لبریز ہوتی تھیں۔اگرچہ کم سخن تھے لیکن ان کی خاموشی میں بھی ایک عالم شگفتگی محسوس ہوتا تھا۔(۹۲) ان کے لباس، معاشرت اور

دوستوں سے حسن سلوک کے بارے میں مولوی محمد شفیع کے یہ الفاظ اہمیت کے حامل ہیں:

> ''شیرانی کا دفتری لباس ہمیشہ انگریزی مگر ترکی ٹوپی کے ساتھ اور گھر پر سادہ کرتا پاجامہ، ان کے گھر کی معاشرت سیدھی سادی تھی۔ سال میں ایک آدھ دفعہ خصوصاً آموں کے موسم میں دعوتِ احباب ہوتی تھی ان کے گھر کے عین سامنے پھل منڈی تھی، عمدہ انتخابی آم وہاں سے آتے تھے اور برف میں لگا کر اور غوریوں میں سجا کر وہ احباب کے سامنے رکھتے تھے۔''(۹۳)

ان کی سیرت اور کردار کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے تو یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ شیرانی ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جس میں دوسروں کے لیے خیر ہی خیر تھا، اچھائی ہی اچھائی تھی وہ دوسروں کو نقصان یا گزند پہنچانا جانتے ہی نہیں تھے، وہ دوسروں کے لیے اچھا سوچتے تھے اور سب احباب، عزیزوں، دوستوں کا بہت خیال رکھنے والے انسان تھے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۲۱
۲۔ مظہر محمود شیرانی، مقالات حافظ محمود شیرانی جلد اول، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۲۰
۳۔ عبداللہ سید، ڈاکٹر: ادب و فن، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۹۴
۴۔ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، لاہور، برائٹ بکس، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۹
۵۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص ۱۷، ۲۲
۶۔ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، ص ۳۱۶
۷۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر: حافظ محمود شیرانی مشمولہ ارمغان شیرانی، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، زاہد منیر عامر، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱۹
۸۔ مظہر محمود شیرانی، حافظ محمود شیرانی کا وطن ۔۔۔ ریاست ٹونک مشمولہ ارمغان شیرانی، ص ۱۰۱
۹۔ ایضاً، ص ۱۰۹
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰۳
۱۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۳۲
۱۲۔ ایضاً
۱۳۔ ایضاً، ص ۳۰
۱۴۔ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، لاہور، برائٹ بکس، ۲۰۰۶ء، ص ۳۱۶
۱۵۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۳۳
۱۶۔ مظہر محمود شیارنی (مرتب)، مکاتیب حافظ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸
۱۷۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، لاہور، ۱۹۶۲ء ص ۱۷۰
۱۸۔ حالات زندگی از مظہر محمود شیرانی، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی جلد اول، ص ۲۷
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۹
۲۰۔ ایضاً، ص ۳۲
۲۱۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، تعبیر و تفہیم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۷

۲۲۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۳۵

۲۳۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مکاتیب حافظ محمود شیرانی، ص ۱۰، ۱۱

۲۴۔ خلیق انجم' ڈاکٹر، تعبیر وتفہیم، ص ۱۱۷

۲۵۔ محمد حنیف شاہد (مرتب)، مقالات عبدالقادر، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۹، ۱۹۰

۲۶۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص ۴۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۸

۲۸۔ مظہر محمود شیرانی، حافظ محمود شیرانی کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۴۸

۲۹۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب) مکاتیب حافظ محمود شیرانی، ص ۱۳۱، ۱۳۲

۳۰۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، حافظ محمود شیرانی۔ کتابیات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص ۶، ۷

۳۱۔ ایضاً، ص ۷

۳۲۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۵۳

۳۳۔ سلیمان ندوی' سید، پروفیسر حافظ محمود شیرانی، مرحوم، مشمولہ پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۶۱۴

۳۴۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۵۳

۳۵۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۵۳

۳۶۔ ایضاً، ص ۵۴

۳۷ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، لاہور، برائٹ بکس، ۲۰۰۶ء، ص ۳۱۷

۳۸۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۵۴

۳۹۔ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، ص ۱۴۶

۴۰۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۶۵

۴۱۔ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، ص ۱۴۶

۴۲۔ محمد اقبال' پروفیسر حافظ، مرحوم علامہ شیرانی، مشمولہ پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، ص ۶۲۲

۴۳۔ یونس حسنی' ڈاکٹر، اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۷

۴۴۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، ص ۵۸

۴۵۔ فتح محمد ملک؛ پروفیسر: پنجاب کی مادری زبان اردو ہے، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان، کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء،ص ۸
۴۶۔ محمد حنیف شاہد (مرتب)، مقالات عبدالقادر، ص ۱۹۱
۴۷۔ اس وقت اختر شیرانی لاہور سے بہارستان نکال رہے تھے، حواشی حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۱۵۳
۴۸۔ مولوی محمد شفیع، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء، شیرانی نمبر جلد ۳۳، عدد مسلسل ۸۸، ص ۱۹، ۲۰
۴۹۔ چند بڑے ادیب از سید عابد علی عابد، مشمولہ نقوش لاہور نمبر، ص ۱۰۷۶
۵۰۔ مظہر محمود شیرانی؛ ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۶۷، ۶۸
۵۱۔ محمد شفیع؛ ڈاکٹر مولوی، مرحوم حافظ محمود خاں شیرانی مشمولہ پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، حواشی، ص ۶۴۲
۵۲۔ مظہر محمود شیرانی؛ ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۶۲، ۶۳
۵۳۔ ایضاً ص ۶۶
۵۴۔ شہاب الدین ثاقب؛ ڈاکٹر، انجمن ترقی اردو ہند کی علمی اور ادبی خدمات، ص ۷۷
۵۵۔ پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۳ء، ص ۱۰۱
۵۶۔ محمد اقبال؛ پروفیسر حافظ، مرحوم علامہ شیرانی، مشمولہ پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، ص ۶۲۳
۵۷۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مکاتیب حافظ محمود شیرانی، ص ۲۷۶
۵۸۔ مظہر محمود شیرانی؛ ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۳۷
۵۹۔ اختر شیرانی کا ایک کارِثواب مشمولہ تسلیمات از داؤد رہبر، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۲۰۲
۶۰۔ مظہر محمود شیرانی؛ ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۸۰
۶۱۔ ایضاً ص ۸۱
۶۲۔ حافظ محمود شیرانی کے خطوط ڈاکٹر اقبال کے نام، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۵۱ء، جلد ۲۸، عدد مسلسل ۱۰۷، ص ۳
۶۳۔ مظہر محمود شیرانی؛ ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص ۸۱

۶۴۔ ایضاً، ص۸۲

۶۵۔ ایضاً، ص۸۳

۶۶۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مکاتیب حافظ محمود شیرانی، ص۱۷۰

۶۷۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص۹۱، ۹۲

۶۸۔ ایضاً، ص۹۳

۶۹۔ ایضاً، ص۹۵

۷۰۔ ایضاً ص۹۶

۷۱۔ یونس حسنی' ڈاکٹر، اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی، ۱۹۷۶ء، ص۲۸

۷۲۔ حالات زندگی از مظہر محمود شیرانی، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی جلد اول، ص۵۰

۷۳۔ حواشی از محمد اقبال' پروفیسر حافظ، مرحوم علامہ شیرانی، مشمولہ پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، ص۶۳۰

۷۴۔ حالات زندگی از مظہر محمود شیرانی، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی جلد اول، ص۵۰ تا ۷۰

۷۵۔ ایضاً، ص۶۶، ۶۷

۷۶۔ یونس حسنی' ڈاکٹر، اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، ص۲۸

۷۷۔ نقوش آپ بیتی نمبر ص۱۱۸۵

۷۸۔ شیخ عبدالعزیز، مرحوم حافظ محمود شیرانی کی یاد میں، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، ص۱۴

۷۹۔ محمد حنیف شاہد (مرتب)، مقالات عبدالقادر، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۶ء، ص۱۹۳

۸۰۔ عبداللہ' سید ڈاکٹر، پروفیسر شیرانی کا علمی اور تحقیقی کام، مشمولہ، پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، ص۶۵۲

۸۱۔ محمد باقر' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی (میرے استاد)، مشمولہ، پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، ص۶۷۶

۸۲۔ مظہر محمود شیرانی' ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص۸۳

۸۳۔ مولوی محمد شفیع، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء، شیرانی نمبر جلد۳۳، عدد مسلسل ۸۸، ص۳۰

۸۴۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر: ادب و فن، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص۹۳، ۹۴

۸۵۔ مولوی محمد شفیع، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء شیرانی نمبر جلد۳۳، عدد مسلسل ۸۸، ص۲۰

۸۶۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، ص۱۵۱تا۹۱

۸۷۔ مولوی محمد شفیع، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء، شیرانی نمبر جلد۳۳، عدد مسلسل ۸۸، ص۳۳

۸۸۔ عابد علی عابدؔ، سید، چند بڑے ادیب مشمولہ نقوش، لاہور نمبر، ص۱۰۷۷

۸۹۔ مولوی محمد شفیع، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء، شیرانی نمبر جلد۳۳، عدد مسلسل ۸۸، ص۳۲

۹۰۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص۵۱

۹۱۔ مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص۱۲

۹۲۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مکاتیب حافظ محمود شیرانی، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، ص ن

۹۳۔ مولوی محمد شفیع، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۴۷ء، شیرانی نمبر جلد۳۳، عدد مسلسل ۸۸، ص۳۲

باب دوم

حافظ محمود شیرانی۔ علمی و قلمی آثار

حافظ محمود شیرانی اپنے علمی و ادبی سرمائے کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے نامساعد حالات اور کم دستیاب وسائل کے باوجود ایسا گرانقدر کام کیا ہے کہ جس کی قدر و اہمیت اردو زبان و ادب میں تسلیم کر لی گئی ہے۔ انھوں نے مخطوطہ شناسی، سکہ جات، مخطوطات کے حوالے سے وہ ذخیرہ اکٹھا کیا کہ کسی فرد کے حوالے سے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ انھوں نے تن تنہا وہ کام کیا جو اداروں اور تنظیموں کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ وہ اپنے عہد کی ایک عہد آفرین شخصیت تھے جنھوں نے بیک وقت کئی میدانوں میں اپنے علم و ہنر کے جوہر دکھائے۔ انھوں نے جب سے شعور سنبھالا قلم کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کیا اور مرتے دم تک لکھتے رہے۔ جو کچھ لکھا پوری یک سوئی اور مہارت سے لکھا۔ ان کے سرمایۂ علم و ادب میں شعری، عروضی، لسانی، تحقیقی اور تنقیدی تحریریں شامل ہیں۔ ان کی تحریریں نہ صرف مقدار بلکہ معیار کے حوالے سے بھی تسلی بخش ہیں۔ حافظ محمود شیرانی اپنے عہد کے ایک ایسے ادیب، محقق اور نقاد ہیں جنھوں نے اپنی تصنیفات سے اردو زبان و ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان کی تخلیقات، تحقیقات اور تنقیدات میں علمی شعور کی گہرائی اور فکری اسلوب کی گیرائی نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنے قلم کے زور سے اردو زبان و ادب میں جو اضافہ کیا ہے وہ قابل قدر ہی نہیں قابلِ صد ستائش بھی ہے۔

ان کا یہ علمی و فکری اور تحقیقی و تنقیدی سرمایہ ان کی کتابوں کے علاوہ بے شمار رسالوں میں مضامین کی صورت بکھرا پڑا ہے۔ ذیل میں ان کی تصنیفات، تالیفات اور مرتبہ کتب کے علاوہ ان کے مختلف مضامین کی فہرست، ان پر کیے جانے والے تحقیقی کام اور ان پر شائع ہونے والے رسائل و جرائد کے نمبروں کی تفصیل دی جا رہی ہے۔ اور ساتھ ہی ان کی کتب پر تبصرہ بھی شامل ہے۔

حافظ محمود شیرانی کا قلمی سرمایہ

تصانیف:

۱۔ پنجاب میں اردو، لاہور: انجمن ترقی اردو اسلامیہ کالج، طبع اول، ۱۹۲۸ء

پنجاب میں اردو، لاہور: مکتبہ معین الادب، طبع دوم، ۱۹۴۹ء

پنجاب میں اردو، لاہور: مکتبہ معین الادب، طبع سوم، س۔ن

پنجاب میں اردو، لکھنؤ: مکتبہ کلیان۔ بشیرت گنج، طبع چہارم، ۱۹۶۰ء

پنجاب میں اردو، لکھنؤ: عہد نو پبلیکیشنز، طبع پنجم، ۱۹۶۲ء

پنجاب میں اردو، (مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی)، لاہور: کتاب نما/ آئینہ ادب، طبع ششم، ۱۹۶۳ء

پنجاب میں اردو، (مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی)، لاہور: کتاب نما/ آئینہ ادب، طبع ہفتم، ۱۹۷۲ء

پنجاب میں اردو، لکھنؤ: نسیم بکڈ پو۔ لاٹوش روڈ، طبع ہشتم، ۷۶۔۱۹۷۷ء

پنجاب میں اردو، لکھنؤ: (فوٹو آفیسٹ) اتر پردیش اردو اکادمی، طبع نہم، ۱۹۸۲ء

پنجاب میں اردو، حصہ اول، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء

پنجاب میں اردو (ترتیب وتدوین مع اضافہ جات: محمد اکرام چغتائی)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

۲۔ تبصرہ بر خزائن الفتوح امیر خسرو، لاہور: لیتھو پرنٹنگ پریس، ۱۹۳۵ء

۳۔ فردوسی پر چار مقالے، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۲ء

۴۔ تنقید شعر العجم، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۲ء

۵۔ تنقید پرتھی راج راسا، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۳ء

۶۔ خالق باری، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۴ء

۷۔ مقالات شیرانی، حافظ محمود شیرانی، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۴۸ء

۸۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء

۹۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء

۱۰۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد سوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء

۱۱۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد چہارم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء

۱۲۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد پنجم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء

۱۳۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد ششم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء

۱۴۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد ہفتم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۶ء

۱۵۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد ہشتم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۵ء

۱۶۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد نہم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۹ء

۱۷۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد دہم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۷

۱۸۔ مکاتیب حافظ محمود شیرانی، لاہور، مجلس یادگار حافظ محمود شیرانی۔ لاہور، ۱۹۸۱ء

تالیفات:

۱۔ Rise & Progress of Mahometanism
London, Lusac & Co, 1911, 1st Edition
Lahore, Orientalia & Co, 1954, 2nd Edition
Lahore, Orientalia & Co, 1975, 3rd Edition
Lahore, Al-Biruni & Co, 1976, 4th Edition

۲۔ مجموعہ نغز، بار اول، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۳ء

۳۔ سرمایہ اردو، بار اول، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۳۵ء

قیام پاکستان کے بعد:

سرمایہ اردو، پہلی بار، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۴۷ء

سرمایہ اردو، دوسری بار، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۴۸ء

سرمایہ اردو، تیسری بار، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۱ء

سرمایہ اردو، چوتھی بار، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۳ء

سرمایہ اردو، پانچویں بار، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۵ء

سرمایہ اردو، چھٹی بار، لاہور،، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۷ء

سرمایہ اردو،، لاہور،، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء

مضامین ومقالات:

۱۔ گناہ (انشائیہ) قسط ا، مخزن۔ لاہور، جون ۱۹۰۲ء

گناہ (انشائیہ) قسط ۲، مخزن۔ لاہور، جولائی ۱۹۰۲ء

۲۔ چند لمحے وکٹوریہ البرٹ میوزیم میں، مخزن لاہور، جنوری ۱۹۰۶ء

۳۔ قابوس نامہ (چھ قسطیں) مخزن لاہور، مئی ۱۹۲۰ء تا نومبر، دسمبر ۱۹۲۱ء

۴۔ دقیقی، مخزن لاہور، اکتوبر ۱۹۲۰ء

۵۔ شاہ نامہ کی نظم کے اسباب اور زمانہ، ''اردو'' اورنگ آباد، جولائی ۱۹۲۱ء

۶۔ ہجو سلطان محمود غزنوی، ''اردو'' اورنگ آباد، اکتوبر ۱۹۲۱ء

۷۔ یوسف وزلیخائے فردوسی، ''اردو'' اورنگ آباد، اپریل ۱۹۲۲ء

۸۔ تنقید شعر العجم، (رودکی، دقیقی، عنصری وغیرہ) ''اردو'' اورنگ آباد، اکتوبر ۱۹۲۲ء

۹۔ تنقید شعر العجم، (فردوسی) ''اردو'' اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۳ء

۱۰۔ تنقید شعر العجم، (فرخی) ''اردو'' اورنگ آباد، جولائی ۱۹۲۳ء

۱۱۔ تنقید شعر العجم، (سنائی، انوری) ''اردو'' اورنگ آباد، اکتوبر ۱۹۲۳ء

۱۲۔ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری، ''اردو'' اورنگ آباد، جولائی ۱۹۲۴ء

۱۳۔ تنقید شعر العجم، (انوری مسلسل) ''اردو'' اورنگ آباد، اکتوبر ۱۹۲۴ء

۱۴۔ ''زمیندار'' و''معارف'' میں عروضی بحث، ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء

۱۵۔ فردوسی کا مذہب، ''اردو'' اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۵ء

۱۶۔ شیخ فرید الدین عطار اور حکایاتِ سلطان محمود، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، فروری ۱۹۲۵ء

۱۷۔ رابعہ بنت الکعب القزداری، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، مئی ۱۹۲۵ء

۱۸۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں از احمد دکنی، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، نومبر ۱۹۲۵ء

۱۹۔ تنقید شعر العجم، (نظامی) ''اردو''اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۶ء

۲۰۔ بعض نئے اوزان، ''انتخاب''لاہور، جنوری ۱۹۲۶ء

۲۱۔ فارسی شاعری اور اس کی قدامت، قسط ۱، ''سہیل''، علی گڑھ، جنوری ۱۹۲۶ء

فارسی شاعری اور اس کی قدامت، قسط ۲، ''سہیل''، علی گڑھ، اپریل ۱۹۲۶ء

۲۲۔ ریختہ، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، مئی ۱۹۲۶ء

۲۳۔ بکٹ قصہ از محمد افضل جھنجھانوی، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، اگست ۱۹۲۶ء

۲۴۔ تنقید شعر العجم، (فرید الدین عطار) ''اردو''اورنگ آباد، اکتوبر ۱۹۲۶ء

۲۵۔ خالق باری، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، نومبر ۱۹۲۶ء

۲۶۔ تنقید شعر العجم، (تصنیفات شیخ فرید الدین عطار) ''اردو''اورنگ آباد، جنوی ۱۹۲ء

۲۷۔ مولوی ابوالبرکات منیر لاہوری، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، مئی ۱۹۲۷ء

(یہ مضمون مقالات منتخبہ مجلّہ دانش کدہ خاور شناسی نمبر ۱، دانش گاہ پنجاب لاہور باہتمام سید وزیر الحسن عابدی، طبع ۱۹۶۷ء میں بھی شامل ہوا۔)

۲۸۔ مخدوم شیخ بہاء الدین برناوی، (تین قسطیں)، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، اگست ۱۹۲۷ء تا اگست ۱۹۲۹ء

۲۹۔ شاہنامہ کا قدیم دیباچہ، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، فروری ۱۹۲۹ء

۳۰۔ فارسی زبان کی ایک قدیم فرہنگ میں اردو زبان کا عنصر (قسط ۱)، ''مخزن''لاہور، مارچ ۱۹۲۹ء

فارسی زبان کی ایک قدیم فرہنگ میں اردو زبان کا عنصر (قسط ۲)، ''مخزن''لاہور، اپریل ۱۹۲۹ء

۳۱۔ اردو زبان اور اس کے مختلف نام، ''اورینٹل کالج میگزین''لاہور، مئی ۱۹۲۹ء

(مضمون ہٰذا'' مقالات منتخبہ اورینٹل کالج میگزین'' باہتمام سید وقار عظیم، طبع لاہور

۱۹۷۰ء میں بھی شامل ہے)

۳۲۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی فارسی تالیفات سے اردو زبان کے وجود کا ثبوت، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۲۹ء

۳۳۔ شاہنامہ سے فردوسی کے حالات، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، فروری ۱۹۳۰ء

۳۴۔ سکہ جات قدیمہ، ''خیالستان'' لاہور، اپریل ۱۹۳۰ء

۳۵۔ اردو کے فقرے اور دوہرے نویں صدی ہجری کی فارسی تصنیفات سے، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، اگست ۱۹۳۰ء

۳۶۔ گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں، (قسط ۱)، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۰ء

گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں، (قسط ۲)، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، فروری ۱۹۳۱ء

۳۷۔ اردو مغلوں کے دربار میں، (قسط ۱)، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، مئی ۱۹۳۱ء

اردو مغلوں کے دربار میں، (قسط ۲)، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، اگست ۱۹۳۱ء

۳۸۔ اردو کی شاخ ہریانی زبان میں تالیفات، قسط ۱، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۱ء

اردو کی شاخ ہریانی زبان میں تالیفات، قسط ۲، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، فروری ۱۹۳۲ء

۳۹۔ قرآن مجید کی ایک قدیم تفسیر، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، مئی ۱۹۳۲ء

۴۰۔ میر قدرت اللہ قاسم اور اس کی تالیف مجموعۂ نغز، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۲ء

۴۱۔ بچوں کے تعلیمی نصاب، روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ، لاہور، اپریل ۱۹۳۳ء

۴۲۔ نمائش مخطوطات و مسکوکات، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۳ء

۴۳۔ قصہ چہار درویش، سالنامہ ''کاروان'' لاہور، ۱۹۳۳ء

۴۴۔ تنقید پرتھی راج راسا، (بارہ قسطیں)، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، مئی ۱۹۳۴ء تا اگست ۱۹۳۹ء

۴۵۔ سب رس، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۴ء
(یہ مضمون ''احوال نقد وجہی'' مرتبہ محمد حیات سیال طبع لاہور، دسمبر ۱۹۶۷ء میں بھی شامل ہے)

۴۶۔ پنجاب میں اردو کی سرگزشت کا ایک فراموش شدہ ورق، سالنامہ ''کاروان'' لاہور، ۱۹۳۴ء

۴۷۔ ایران کا زندہ جاوید شاعر فردوسی، (فردوسی کی ہزار سالہ برسی پر نومبر ۱۹۳۴ء میں کلکتہ میں پڑھا گیا)

۴۸۔ صلائی، قسط ۱، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، فروری ۱۹۳۵ء
صلائی، قسط ۲، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، مئی ۱۹۳۵ء

۴۹۔ خزائن الفتوح از امیر خسرو دہلوی، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۵ء

۵۰۔ انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح (چار قسطیں)، صلائی، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۵ء تا اگست ۱۹۳۶ء

۵۱۔ عباس صفوی کا شکار، ''رومان'' لاہور، جنوری ۱۹۳۶ء

۵۲۔ مثنوی عروۃ الوثقی از شہابی، روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ، لاہور، اپریل ۱۹۳۶ء

۵۳۔ حالی اور مسدس حالی، ''رومان'' لاہور، جون ۱۹۳۶ء

۵۴۔ ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، مئی ۱۹۳۸ء

۵۵۔ فردوسی کی تعلیم، ''رومان'' لاہور، اکتوبر ۱۹۳۸ء

۵۶۔ تاریخ غریبی، قسط ۱، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۸ء
تاریخ غریبی، قسط ۲، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، فروری ۱۹۳۹ء

۵۷۔ دسویں صدی ہجری کے بعض جدید دریافت شدہ ریختے، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، مئی ۱۹۳۹ء

۵۸۔ ملّا دو پیازہ اور جعفر زٹلی کی مروجہ سوانح عمریوں کا جائزہ اور تنقید، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، نومبر ۱۹۳۹ء

۵۹۔ رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ، قسط ۱، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور،

فروری ۱۹۴۰ء
رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ، قسط ۲، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، مئی ۱۹۴۰ء

۶۰۔ دائرہ کے مہدویوں کا اردو کی تعمیر میں حصہ، قسط ۱، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، نومبر ۱۹۴۰ء
دائرہ کے مہدویوں کا اردو کی تعمیر میں حصہ، قسط ۲، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، فروری ۱۹۴۱ء

۶۱۔ اردوئے قدیم کے متعلق چند تصریحات، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، مئی ۱۹۴۱ء

۶۲۔ تنقید بر آب حیات مولانا محمد حسین آزاد (تین قسطیں)، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، اگست ۱۹۴۱ء تا فروری ۱۹۴۲ء

۶۳۔ پہلی صدی ہجری میں عرب عمال کے ایرانی مسکوکات، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، نومبر ۱۹۴۲ء

۶۴۔ ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب، ''اردو''، دہلی، جنوری ۱۹۴۳ء

۶۵۔ تنقید دیوان ذوق، (سات قسطیں)، ''ہندوستانی''، الہ آباد، اکتوبر ۱۹۴۴ء تا اپریل ۱۹۴۷ء

۶۶۔ محمد شاہ کے عہد میں پنجابی جفت فروشوں کے فساد پر بے نوا اسامی کا مخمس، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، اگست ۱۹۴۵ء

۶۷۔ عروض جدید، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، نومبر ۱۹۶۱ء

۶۸۔ قدیم اردو، ''سات رنگ''، کراچی، نومبر ۱۹۶۱ء

۶۹۔ فرہنگ شیرانی مرتبہ گوہر نوشاہی و فاروق عثمان زیر نگرانی ڈاکٹر وحید قریشی، (تین قسطیں) ''فنون''، لاہور، مئی جون ۱۹۶۵ء تا فروری مارچ ۱۹۶۶ء

۷۰۔ پنجاب میں اردو کی بعض قدیم تصنیفات، ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، شمارہ ۳، ۴، ۱۹۸۰ء

۷۱۔ اردو کا دبستان دہلی، ''ماہ نو'' لاہور، ستمبر اکتوبر ۱۹۸۰ء

۷۲۔ فیض عثمانی۔ صحرائے راجپوتانہ کا ایک گمنام فارسی شاعر، روزنامہ ''جنگ'' کراچی، ۵۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء

۷۳۔ مسلمانوں میں ہندی موسیقی کا رواج، ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی، اکتوبر ۱۹۸۰ء

۷۴۔ آلات آتش بازی، ''اردو'' کراچی، جلد ۵۶، شمارہ ۴، ۱۹۸۰ء

۷۵۔ جنگ نامہ موہن گڑھ، ''جرنل'' عربیک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان، ٹونک، جلد ا، ۸۱۔ ۱۹۸۰ء

۷۶۔ پنجاب میں اردو۔ ایک تبصرے پر تبصرہ، ''فنون'' لاہور، جنوری فروری ۱۹۸۱ء

۷۷۔ اے بریف نوٹ آن مائی کلیکشن آف بکس (انگریزی)، ''جرنل'' عربیک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان، ٹونک، جلد ۲، ۱۹۸۳ء

۷۸۔ داستان پشاور، ''صحیفہ'' لاہور، اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء

۷۹۔ آلات آتش بازی، حافظ محمود شیرانی۔ تحقیقی مطالعے مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء

۸۰۔ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری، کیا یہ دیوان انھی کی ملکیت ہے؟ تحقیق شمارہ خاص، ۱۰، ۱۱، ۱۹۹۶ء ۱۹۹۷ء، شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، ص ۵۰۱

۸۱۔ کیا فارسی قصہ چہار درویش امیر خسرو کی تصنیف ہے؟ مع حواشی از نجم الاسلام، تحقیق شمارہ خاص، ۱۰، ۱۱، ۱۹۹۶ء ۱۹۹۷ء، شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی، ص ۵۲۲

۸۲۔ شہادت کلام، شمولہ تحقیق شناسی مرتبہ رفاقت علی شاہد، لاہور، القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۳، ص ۶۹

۸۳۔ اردو کا ارتقاء کس زبان سے ہوا؟، مشمولہ اخبار اردو اسلام آباد (اردو پنجاب میں)، مارچ اپریل ۲۰۰۴ء، جلد ۲۰، شمارہ ۳، ۴، ص ۸

۸۴۔ پنجاب میں اردو کی سرگزشت کا ایک فراموش شدہ ورق، ماہنامہ ''اخبار اردو'' اسلام آباد (اردو

پنجاب میں)، مارچ اپریل۲۰۰۴ء، جلد۲۰، شمارہ۳،۴، ص۱۳

۸۵۔ اردوئے قدیم کے متعلق چند تصریحات، ماہنامہ ''اخبار اردو'' اسلام آباد (اردو پنجاب میں)، مارچ اپریل۲۰۰۴ء، جلد۲۰، شمارہ۳،۴، ص۱۸

۸۶۔ پنجاب میں قدیم اردو ادب، ماہنامہ ''اخبار اردو'' اسلام آباد، (اردو پنجاب میں)، مارچ اپریل۲۰۰۴ء، جلد۲۰، شمارہ۳،۴، ص۲۱

مطبوعہ منظومات:

۱۔ اے نسیم وصبا شمال و دبور (اردو غزل)، ''مخزن''۔ لاہور،

۲۔ نخلستان، ''مخزن''۔ لاہور، جنوری ۱۹۰۵ء

۳۔ ٹیپو سلطان، ''مخزن''۔ لاہور، مارچ ۱۹۰۵ء

۴۔ موت کا وقت، ''مخزن''۔ لاہور، اگست ۱۹۰۵ء

۵۔ منتخبات نظم، ہفت روزہ ''انتخاب لاجواب''۔ لاہور، ۸جنوری ۱۹۰۸ء

۶۔ تشبیب، ہفت روزہ ''انتخاب لاجواب''۔ لاہور، ۱۵جنوری ۱۹۰۸ء

۷۔ بیا در ملک ما تا حالت ماراعیاں بینی (فارسی غزل)، ''مخزن''۔ لاہور، ستمبر۱۹۱۹ء

۸۔ مرے تن کو کیا احتیاج کفن ہے (اردو غزل)، ''مخزن''۔ لاہور، اپریل ۱۹۲۰ء

۹۔ ہے سرود خوان بے ثباتی یہ زباں ساز آفرینش (اشعار اردو غزل)، ''مخزن''۔ لاہور، مئی ۱۹۲۰ء

۱۰۔ رفتم شبی بگور غریباں گریستم (فارسی غزل)، ''خیالستان''۔ لاہور، اگست ۱۹۳۰ء

۱۱۔ ایک دوست کی وفات پر، ''خیالستان''۔ لاہور

۱۲۔ تبرکات (اردو قصیدہ)، ''آج کل''۔ دہلی، فروری ۱۹۴۷ء

۱۳۔ بیاز گور غریباں قدم دریغ مدار (فارسی غزل)، 'اورینٹل کالج میگزین' لاہور، فروری ۱۹۴۷ء

حافظ محمود شیرانی پر تحقیقی کام:

۱۔ حافظ محمود شیرانی از سجاد مجوکہ، نگران ڈاکٹر سید عبداللہ، مقالہ برائے ایم اے (اردو)،

پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۶۵۔۱۹۶۴ء

۲۔ حافظ محمود شیرانی کی فارسی خدمات از پروین اختر شیرانی، نگران حضور احمد سلیم، مقالہ برائے ایم اے (فارسی)، سندھ یونیورسٹی۔حیدرآباد، ۷۶۔۱۹۷۵

۳۔ حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی وادبی خدمات، از مظہر محمود شیرانی، نگران مقالہ ڈاکٹر وحید قریشی، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو)، پنجاب یونیورسٹی۔لاہور ۱۹۸۷ء

۵۔ حافظ محمود شیرانی (کتابیات)، از ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، مقتدرہ قومی زبان (پاکستان) اسلام آباد ۱۹۹۱ء

۶۔ ارمغان شیرانی، مرتبہ ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، پنجاب یونیورسٹی۔لاہور ۲۰۰۲ء

۷۔ فرہنگ شیرانی، ڈاکٹر گوہر نوشاہی اور فاروق عثمان نے ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔ جو کہ فنون میں بالاقساط شائع ہوا۔ (۱)

شیرانی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے رسائل وجرائد:

۱۔ تماہی ''ہندوستانی'' الہ آباد، (شیرانی نمبر) اپریل و جولائی ۱۹۴۶ء

۲۔ سہ ماہی ''اردو'' دہلی، (شیرانی نمبر)، جلد ۲۶، نمبر ۴

۳۔ ''آج کل'' دہلی (شیرانی نمبر)، یکم فروری ۱۹۴۷ء

۴۔ ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، (شیرانی نمبر)، فروری ۱۹۴۷ء

۵۔ مجلّہ صد سالہ تقریب ولادت حافظ محمود شیرانی، مجلس یادگار حافظ محمود شیرانی، اکتوبر ۱۹۸۰ء

۶۔ ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور، (شیرانی نمبر)، جلد ۵۶، شمارہ ۳، ۴

۷۔ ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی، (شیرانی نمبر)، اکتوبر ۱۹۸۰ء

۸۔ سہ ماہی ''اردو'' کراچی، (شیرانی نمبر)، جلد ۵۶، شمارہ ۴

۹۔ ماہنامہ ''افکار''۔کراچی، (گوشۂ شیرانی)، سال ۳۶، شمارہ ۱۲۷

۱۰۔ ماہنامہ ''ندیم''۔ٹونک، (شیرانی نمبر)، مارچ ۱۹۸۱ء

۱۱۔ مجلّہ ''تحقیق''۔لاہور(حافظ محمود شیرانی نمبر)،جلد۳،شمارہ۲،۳

۱۲۔ ''جرنل'' عربیک پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان۔ٹونک،(مجلّہ خصوصی بیادگار پروفیسر محمود شیرانی)،جلد۱،سال۸۱۔۱۹۸۲ء

۱۳۔ مجلّہ ''فنون''۔لاہور،(گوشۂ شیرانی)،شمارہ۱۵،جنوری فروری۱۹۸۱ء

۱۴۔ روز نامہ ''امروز''۔لاہور،(گوشۂ شیرانی)،۳۔اکتوبر۱۹۸۰ء

۱۵۔ روز نامہ ''حریت''۔کراچی،(گوشۂ شیرانی)،۳۔اکتوبر۱۹۸۰ء

۱۶۔ روز نامہ ''جنگ''۔کراچی،(گوشۂ شیرانی)،۵۔اکتوبر۱۹۸۰ء

۱۷۔ روز نامہ ''نوائے وقت''۔لاہور،(گوشۂ شیرانی)،۷۔اکتوبر۱۹۸۰ء

مکاتیب:

۱۔ والد کے نام لندن سے خط،''قوم'' جے پور جنوری۱۹۰۵ء

۲۔ والد کے نام لندن سے خط،''المصباح'' جے پور، جولائی۱۹۰۵ء

۳۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم کا ایک خط(بنام پروفیسر محمد ابراہیم ڈار)،''نوائے ادب'' بمبئی، جنوری۱۹۵۰ء

۴۔ بنام ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی(سات خطوط)،''اورینٹل کالج میگزین''لاہور،مئی۱۹۵۱ء (یہ ساتوں خط ایک کتابچے کی صورت میں ''کتاب خانہ نورس'' اردو بازار لاہور سے ۱۹۵۵ء میں بھی شائع ہوئے)ص۲۰

۵۔ نامۂ شیرانی(بنام پروفیسر محمد ابراہیم ڈار)،''نوائے ادب'' بمبئی، جولائی و اکتوبر۱۹۵۱ء

۶۔ مولوی عبدالحق کے نام ایک مکتوب،''العلم'' کراچی،اکتوبر۱۹۵۱ء

۷۔ حافظ محمود شیرانی کے خطوط پروفیسر اقبال مرحوم کے نام(چھ خطوط)،''اورینٹل کالج میگزین''لاہور،نومبر۱۹۵۱ء

۸۔ ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو(ایک خط بنام قاضی عبدالودود)،''نقوش''لاہور،مکاتیب

نمبر،نومبر ۱۹۵۷ء

۹۔ نصف صدی پہلے کا لندن (محمود شیرانی کا ایک خط)،''فنون'' لاہور، اپریل ۱۹۶۳ء

۱۰۔ نصف صدی پہلے کا لندن (محمود شیرانی کا ایک خط)،''فنون'' لاہور، اکتوبر ۱۹۶۳ء

۱۱۔ بیٹے کا خط باپ کے نام (محمود شیرانی کا ایک خط)،''فنون'' لاہور، جنوری ۱۹۶۴ء

۱۲۔ بابائے اردو کے نام حافظ محمود شیرانی کے خط (تین عدد)،''قومی زبان'' کراچی، اکتوبر ۱۹۸۰ء۔

۱۳۔ مکاتیب حافظ محمود شیرانی (۱۱۳ خطوط)، مجلّہ ''تحقیق''۔ لاہور، شمارہ ۲، ۳، جلد ۳، ۱۹۸۰ء

۱۴۔ مکاتیب حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی (۱۱۹ خطوط)، مجلس یادگار حافظ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۸۱ء۔ (۲)

حافظ محمود شیرانی کی تصانیف و تالیفات۔ تنقید و تبصرہ

۱۔ پنجاب میں اردو:

حافظ محمود شیرانی نے اسلامیہ کالج میں تدریس کے دوران ہی ''پنجاب میں اردو'' مکمل کی جس کے محرک علامہ اقبال تھے۔ (۳) حافظ محمود شیرانی کا یہ معرکۃ الآرا تحقیقی و لسانی اہمیت کا حامل کام ہے جس نے اردو تحقیق و لسانیات میں بحث کے کئی دریچے وا کر دیے ہیں۔ اس کتاب کے اب تک کئی ایڈیشن سامنے آ چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۲۸ء، دوسرا ۱۹۴۹ء میں، تیسرے ایڈیشن پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے، چوتھا ۱۹۶۰ء، پانچواں ۱۹۶۲ء، چھٹا ۱۹۶۳ء، ساتواں ۱۹۷۲ء، آٹھواں ۱۹۷۶ء، نواں ۱۹۸۲ء دسواں ۱۹۸۸ء، گیارہواں ۲۰۰۵ء میں سامنے آیا۔ اردو میں یہ کتاب لسانیات کے شعبہ میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوئی۔ بقول گیان چند:

> ''۱۹۲۸ء میں حافظ محمود شیرانی کی کتاب پنجاب میں اردو شائع ہوئی۔ اس کی اہمیت تاریخ و تحقیق کے لحاظ سے بہت کم اور لسانی تحقیق کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ (۴)

اس کتاب کی وجہ سے رشید حسن خان نے حافظ محمود شیرانی کو ردو میں فن تحقیق کا امام تسلیم کیا ہے۔ پنجاب میں اردو کے موضوع پر حافظ محمود شیرانی کی تحقیقات مثال اور سند کا درجہ رکھتی ہیں۔(۵) پنجابی زبان کا اردو زبان سے کیا رشتہ ہے اس سوال کا جواب حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب پنجاب میں اردو میں دلائل و براہین کے ساتھ تاریخی پس منظر کے حوالے سے دیا ہے۔(۶) حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں اردو اور پنجابی زبان کے حوالے سے اپنی تحقیقات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔

کتاب کے مقدمہ میں حافظ محمود شیرانی نے اردو زبان کی قدامت، اس کا بھاشا سے تعلق، ارتقا کس زبان سے ہوا، مسلمانوں کی آمد کے وقت دہلی میں بولے جانے والی زبان، اردو کا دہلی میں پہنچنا، اردو، ملتانی اور پنجابی کی مماثلت، پنجاب پر فارسی اور ایرانی تمدن کے اثرات، غزنوی دور میں مسلمانوں کی زبان، دہلی سے اردو کا دوسرے علاقوں میں پہنچنا، اردو کی مقبولیت، ہریانوی زبان، عہد عالمگیری، پنجاب میں اردو کا مرکز، اردو املا و رسم الخط، اردو اور پنجابی کے اشتراکات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

اس کتاب میں اردو کے مختلف ناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو پر پنجابی، لہندا، فارسی، ہندی، دکنی، برج بھاشا جیسی زبانوں کے اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ پرانے شاعروں کے نمونۂ کلام سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی اردو شاعری پر واضح طور پر پنجابی کے اثرات نظر آتے ہیں۔

پنجابی اور اردو کی قربت کو ثابت کرنے کے لیے حافظ محمود شیرانی نے ان دونوں زبانوں کے صرف ونحو کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک مصدر کا قاعدہ، تذکیر و تانیث کے قواعد، اسم صفات تذکیر و تانیث اور جمع واحد، خبر، فعل، اضافت، تذکیر و تانیث اور جمع واحد دونوں زبانوں میں ایک سے ہیں۔(۷) اس تمام بحث سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اردو زبان نے پنجابی ہی سے جنم لیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گزشتہ سطور کے مطالعہ سے ہم پر یہ امر واضح ہوگیا ہے کہ اردو اور پنجابی کی صرف کا ڈول تمام تر ایک ہی منصوبہ کے زیر اثر تیار ہوا ہے ان کی تذکیر و تانیث اور جمع اور افعال کی تصریف کا اتحاد اسی ایک نتیجہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے اور اردو اور پنجابی زبانوں کی ولادت گاہ ایک ہی مقام ہے۔ (۸)

شیرانی کے نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے سندھ میں حکومت قائم کی یہ ممکن ہے کہ انھوں نے کوئی ہندوستانی زبان اختیار نہ کی ہو، لیکن پنجاب میں، جہاں ان کی حکومت کم و بیش ۱۷۰ سال تک رہی، انھوں نے سرکاری، تجارتی و معاشرتی اغراض سے کوئی نہ کوئی ہندوستانی زبان اختیار کی ہوگی۔ اسی زبان کو وہ دلی لے آئے۔ دلی میں بولے جانے والی زبان اور دلی میں مسلمانوں کی آمد کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''ہمیں معلوم نہیں کہ ان کے آنے سے پہلے دلّی میں کون سی زبان بولی جاتی تھی؟ وہ راجستھانی رہی ہوگی یا برج۔ غالباً برج تھی۔ لاہور جو زبان آئی وہ پنجابی نما اردو یا اردو نما پنجابی رہی ہوگی۔ دہلی میں یہ زبان برج اور دوسری زبانوں کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بنا پر وقتاً فوقتاً ترمیم قبول کرتی رہی اور رفتہ رفتہ اردو کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔''(۹)

اس کتاب میں حافظ محمود شیرانی نے پرانے پنجابی شاعروں کے کلام میں اردو کے اثرات کا جائزہ لیا۔ کئی گمنام شاعروں کو منظر عام پر لائے۔ وہ پنجاب میں اردو زبان کو سرکاری حیثیت ملنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایسٹ انڈیا کمپنی سنہ ۱۸۴۶ء میں جو ۱۲۶۲ھ کے مطابق ہے، پنجاب پر قابض ہو جاتی ہے۔ اس عہد میں اردو کو پنجاب میں سرکاری حیثیت مل جاتی ہے۔''(۱۰)

سندھ میں عربی زبان ۷۱۲ء کے بعد محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد عرب علما اور عرب آباد کاروں کے ذریعے پہنچی۔اسی لیے سندھ میں عربی الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے۔فارسی زبان یعقوب بن لیث صفاری (وفات ۸۷۶ھ) نے سندھ کو اپنی مملکت میں شامل کیا۔یعنی سندھ میں فارسی زبان غزنیوں کی سلطنت سے کوئی ڈیڑھ صدی پہلے پہنچ چکی تھی۔سلطان محمود غزنوی کی وفات سے لے کر محمد بن سام کے لاہور پر حملہ آور ہونے تک ڈیڑھ صدی کے عرصے میں پنجاب میں فارسی زبان کا غلبہ کسی لسانی مزاحمت کے بغیر جاری رہا۔غزنیوں نے اندرون ملک ہر جگہ مادری زبان فارسی بولنے والے کارندے اور حاکم تعینات کر رکھے تھے،اس لیے پنجاب ہی سے مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی جیسے فارسی کے شیریں نوا شاعر پیدا ہو گئے۔اس طرح جب فارسی اور پنجابی بولنے والوں کا ہر کوچہ و بازار میں میل جول قائم ہوا تو ایک نئی زبان کے خدوخال اجاگر ہونا شروع ہو گئے۔اس نئی زبان کے سب سے پہلے شاعر مسعود سعد سلمان ہیں،جن کا سال وفات ۱۱۲۱۔۱۱۳۱ عیسوی ہے اور یہ اردو کے وہ پہلے معلوم شاعر ہیں جن کا دیوان اردو انقلابات زمانہ کی وجہ سے ناپید ہو چکا ہے۔[۱۱] پروفیسر شیرانی نے سیاسی واقعات پر بحث کرتے ہوئے اردو اور پنجابی کے باہمی تعلق کو لسانی ساخت (صرف ونحو) کی روشنی میں پیش کر کے اپنے نظریے کو تقویت دی۔غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> ''پروفیسر شیرانی کا استدلال اتنا قوی ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔دہلی اور نواح دہلی میں اہل پنجاب کا غلبہ اور وہاں کی زبان پر پنجاب کے لسانی اثرات کا ہونا ایک قدرتی عمل تھا اور اردو کے آغاز وارتقا میں اس قدرتی عمل کو ایک امر واقع کی حیثیت حاصل ہے۔[۱۲]

''پنجاب میں اردو'' لکھ کر حافظ محمود شیرانی نے اردو لسانیات کے باب میں جو قابل قدر اضافہ کیا ہے اس نے کئی حوالوں سے نئے نئے موضوعات اور مباحث کو جنم دیا ہے۔حافظ محمود شیرانی کے حوالے سے قاضی فضل حق لکھتے ہیں:

> ''حافظ محمود شیرانی نے ''پنجاب میں اردو'' لکھ کر تحقیق و تجسس کے لیے ایک جدید زینہ کی طرف رہنمائی کی ہے اور باوجود یکہ وہ خود پنجابی نہیں ہیں' تاہم انھوں نے خطہ پنجاب کی علمی اور ادبی مساعی کو منظر عام پر لانے میں وہ کام کیا ہے کہ فرزندانِ پنجاب کے ادب نواز حلقے ان کے احسان کے بوجھ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔''(۱۳)

شیرانی صاحب کی تالیف ''پنجاب میں اردو'' کے منظر عام پر آنے کے بعد محمد حسین آزاد کے اس نظریے کی جس کی تائید شمس اللہ قادری نے بھی کی ہے تردید ہوگئی کہ اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے اور سرزمین پاکستان (موجودہ مغربی پاکستان) میں اردو کے آغاز کا نظریہ مقبول ہوگیا۔لیکن ۱۹۴۲ء میں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی تالیف کیفیہ کے شائع ہونے کے بعد اس نظریے کو کچھ لوگ مشکوک تصور کرنے لگے۔''(۱۴) مگر ان تمام شکوک وشبہات کے باوجود حافظ محمود شیرانی کے نظریے کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہوئی۔

اردو زبان کے ماخذ کے بارے میں مختلف نظریات ملتے ہیں۔سید سلمان ندوی نے اردو کا تعلق سندھی سے جوڑا ہے،ڈاکٹر شوکت سبزواری نے ''اردو زبان کا ارتقا'' میں پالی کو اردو زبان کا ماخذ قرار دیا۔لیکن انھوں نے اپنی دوسری کتاب ''داستان اردو'' میں خود اس بات کی تردید کردی۔عین الحق فرید کوٹی اردو کو ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی مقامی بھاشا کا تسلسل قرار دیتے ہیں اور اسے دراوڑی زبان کی باقیات میں شمار کرتے ہیں۔ڈاکٹر مسعود حسین خان نے ہریانی کو اردو زبان کا ماخذ قرار دیا نصیر الدین ہاشمی نے اردو کا سراغ دکن میں لگایا۔ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے مطابق اردو کا سنگ بنیاد مسلمانوں کی فتح دہلی سے بہت پہلے رکھا جا چکا تھا۔پروفیسر چیٹر جی پنجاب میں اور ڈاکٹر سہیل بخاری مہاراشٹر کے مشرقی علاقے کو اردو کی جائے پیدائش قرار دیتے ہوئے اردو کو مرہٹی کی سگی بہن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔(۱۵) حافظ محمود شیرانی نے باقی

محققین کی نسبت زیادہ وضاحت سے اردو اور پنجابی کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالی۔

''پنجاب میں اردو'' شائع ہوئی تو اس نظریے کی تائید میں کئی لوگوں کی تحریریں سامنے آئیں۔ کئی محققین اور ماہرین لسانیات نے اس کتاب کو خوش آمدید کہا اور حافظ محمود شیرانی کے اس کام کو سراہا۔ خانصاحب قاضی فضل حق اس کی تائید میں لکھتے ہیں:

> ''پنجابی زبان جس میں اہل پنجاب آپس میں گفتگو کرتے ہیں، اسلامی اثرات کی یادگار ہے اور اس کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کر کے اسے اپنا وطن بنایا۔ حاکم و محکوم کے اختلاط اور معاشرتی ضروریات کی وجہ سے ایک ایسی زبان پیدا ہوگئی جس میں ہر دو اقوام کے الفاظ مستعمل ہونے لگے اور اس زبان نے قانون تحول اور ارتقا کے ماتحت ترقی کرتے کرتے ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی یہی وہ زبان ہے جو آج کل پنجاب کے مختلف علاقوں میں بادنے تغیر رائج ہے۔ خواہ اسے ہندی کہہ لو یا پنجابی اس کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں صرف جغرافیائی اور اجتماعی اثرات کی وجہ سے تلفظ اور لہجے میں اختلاف ہے۔''(١٦)

پنجاب میں اردو کے نظریے سے کئی محققین نے مکمل اتفاق نہیں کیا بلکہ اس حوالے سے نئی باتیں اور نئے حقائق سامنے لاتے رہے، بحث مباحثے کا سلسلہ جاری رہا۔ رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''بعض اور لوگوں کی طرح شیرانی مرحوم نے بھی اپنی کتاب پنجاب میں اردو میں بیاضوں کے حوالے دیے ہیں۔ شیرانی صاحب کو میں اردو میں تحقیق کا معلمِ اول مانتا ہوں۔ ان کی تحریروں کو پڑھ کر ہم لوگوں نے تحقیق کے آداب سیکھے ہیں اور اس لحاظ سے ان کو استاد بلکہ استاذ الاساتذہ کہنا چاہیے؛ مگر مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے انھوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ پنجاب کو اردو کا مولد ثابت کرنا ہے اور پھر اس طے شدہ نقطۂ نظر کے تحت انھوں نے ہر طرح کے حوالوں کو بلا تکلف قبول کر لیا۔''(١٧)

رشید حسن خان کے خیال میں حافظ محمود شیرانی نے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ اردو پنجابی سے نکلی ہے۔ ''پنجاب میں اردو'' میں دیے گئے مختلف حوالوں کے بارے میں بھی رشید حسن خان تحفظات رکھتے ہیں۔ان کے خیال میں حافظ محمود شیرانی کا یہ رویہ تحقیق کے نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے اور ان کا یہ اندازِ تحقیق سے زیادہ جذباتی ہے، مگر حافظ صاحب کی پنجابی کے حوالے سے جذباتی لگاؤ کی بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ان کا تعلق پنجاب سے نہیں تھا۔

حافظ محمود شیرانی کے نظریہ کے حوالے سے مختلف حلقوں سے باتیں سامنے آتی رہیں۔ ان کے اس لسانی نظریے سے اتفاق اور کچھ اعتراضات پیش کرتے ہوئے پروفیسر حبیب اللہ خان غضنفر لکھتے ہیں:

> ''شیرانی سے جہاں تسامحات ہوئے وہ اس پر موقوف تھے کہ پنجابی اور اردو کو متحد ثابت کیا جائے اس دعویٰ سے تو اتفاق کیا جا سکتا ہے مگر صرف پنجابی کو اس کی اساس بتانا غلطی ہے۔حقیقت یہ ہے مسلمان پہلی صدی کے آخر میں براہ مکران راجہ داہر کے علاقہ میں داخل ہوئے۔یہ پورا علاقہ آج کل پاکستان میں شامل ہے بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ کل پاکستان ہے۔یہاں کے بیشتر علاقے پر مسلمان قابض و متصرف رہے پہلے فوجی ضرورت سے پھر دفتر کی ضرورت سے یہاں کی زبانیں سیکھیں۔وہ زبانیں ضرور دراوڑی اور لہندا تھیں۔ان زبانوں میں تصرفات ہو کر نئ زبانیں وجود میں آئیں۔''(۱۸)

حافظ محمود شیرانی نے پنجابی اور اردو کے قواعد اور صرف و نحو میں جن مماثلتوں کی نشاندہی کر کے اپنے نظریے کی تعمیر کی ہے ان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے حبیب اللہ خان غضنفر لکھتے ہیں:

> ''قواعد کے جتنے ضابطے شیرانی نے قلم بند کیے ہیں مغربی ہندی کی قریب

قریب ہر شاخ میں ان پر عمل درآمد ہوتا ہے پس صرف پنجابی کا اثر نہیں کہا
جا سکتا بعد کے محققین نے اس وجہ سے سورسینی پراکرت کو اردو کا ماخذ
قرار دیا ہے چونکہ پنجابی بھی شورسینی سے تعلق رکھتی ہے اس لیے وہ بھی ان
قواعد کی پابند ہے کہ اردو کی ابتدائی تشکیل اس علاقہ میں ہوئی جو پنجاب
میں شامل ہے۔''[۱۹]

ڈاکٹر مسعود حسین خان نے بھی حافظ محمود شیرانی کے نظریے پر تنقید کی ہے۔ان کے بقول پروفیسر شیرانی نے پنجاب میں اردو لکھتے وقت اس لسانیاتی حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا ہے کہ گجراتی اور راجستھانی کی طرح پنجابی زبان کا تعلق بھی قدیم زمانہ میں زبانوں کی بیرونی شاخ سے تھا جس کے نشانات جدید پنجابی تک میں ملتے ہیں۔[۲۰] ان اعتراضات کے باوجود وہ حافظ محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اردو'' کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں:

''اس دور کا اردو میں لسانیاتی تحقیق کا سب سے بڑا کارنامہ پروفیسر شیرانی
کی ''پنجاب میں اردو'' (۱۹۲۸ء) ہے جو ترتیب کے اعتبار سے نامکمل سہی
تحقیق کے اعتبار سے گرانقدر تصنیف ہے۔[۲۱]

اس کتاب میں انھوں نے کئی تحقیقی کارنامے سرانجام دیے۔امیر خسرو سے منسوب خالق باری کے حوالے سے ان کی تحقیق کہ یہ امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے، اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔انھوں نے اس قسم کی مشکوک تحریروں کو اپنی تحقیق سے غلط ثابت کیا۔یہ ان کا ایک قابلِ تحسین کارنامہ ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''امیر خسرو کے نام سے جو پہیلیاں، انمل، دوہے کہہ مکرنیاں، دوسخنے،
گیت، اقوال، وغیرہ مشہور ہیں ان میں سے بیشتر مشکوک ہیں، سب سے
اہم بحث وہ ہے جو امیر خسرو کی ''خالق باری'' کے بارے میں ہے۔۔۔
حافظ محمود شیرانی نے ''پنجاب میں اردو'' (ص ۱۸۳) میں دلائل سے ثابت

کیا کہ خالق باری دراصل ضیاء الدین خسرو کی تحریر کردہ ہے۔''(۲۲)

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے بھی حافظ محمود شیرانی کے نظریے پر اعتراضات اٹھائے ان کے نزدیک یہ امر غور کے قابل ہے کہ مولانا شیرانی کے خیال میں غیاث الدین تغلق نے جس کی زندگی کا بڑا حصہ پنجاب میں گزرا پنجاب کی زبان کو دہلی پہنچایا۔ غیاث الدین ۷۲۰ھ میں پنجابیوں کے بڑے لشکر کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ ۷۲۸ھ میں غیاث الدین کا فرزند محمد تغلق پنجابیوں کے لاؤ لشکر کو لے کر دکن روانہ ہوا اس کے لشکر نے صرف آٹھ سال دہلی میں قیام کیا۔ اگر یہ سچ ہے کہ غیاث الدین کا فرزند محمد تغلق دہلی کی زبان کو دکن لے گیا تو یقین کیجیے کہ وہ دہلی کی زبان نہ تھی جو دکن گئی اس لیے کہ دیپال پور کے سپاہی پنجابی بولتے ہوئے دہلی گئے تھے جو آٹھ سال دہلی میں قیام کرنے کے بعد دکن روانہ ہو گئے۔ آٹھ سال کے اندر نہ وہ دہلی کی زبان سیکھ سکتے تھے کہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر دکن جاتے اور نہ دہلی کی اردو کو اپنے قیام کے زمانے میں پنجابی سے متاثر کر سکتے تھے۔ (۲۳) انھوں نے اس کو شیرانی کا قیاس قرار دیتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا کہ حالات وواقعات حافظ محمود شیرانی کے اس نظریے کی تصدیق نہیں کرتے۔ حافظ محمود شیرانی کے لسانی نظریے کے بارے میں ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

> ''مولانا اردو کے صرفی ونحوی نشوونما اور اس کے فطری ارتقا کو نظر انداز کر کے اردو کے لسانی تغیرات کی ذمہ داری دہلی اور لکھنؤ کے شعراء اور تعلیم یافتہ طبقے پر ڈالتے ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ دہلی میں مظہر جان جاناں اور ظہور الدین حاتم نے اردو زبان میں اصلاح وترمیم کی بنا ڈالی جو لکھنؤ میں ناسخ کے عہد تک جاری رہی۔ (۲۴)

مولوی عبدالحق کو اس کتاب میں اخذ کردہ نتائج سے اتفاق نہ تھا چنانچہ انھوں نے رسالہ ''اردو'' (جولائی ۱۹۲۸ء) میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ''پنجاب میں اردو'' پر تنقید کی۔ حافظ صاحب نے ان اعتراضات کا جواب لکھا جو اس وقت جانے کیوں حافظ محمود شیرانی نے کیوں

شائع نہیں کرایا، اور جسے بعد میں مجلّہ ''فنون''لاہور، شمارہ جنوری فروری ۱۹۸۱ء میں حافظ شیرانی کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر شائع کیا گیا۔ (۲۵) ہوسکتا ہے حافظ صاحب نے صرف اس لیے اسے شائع نہ کرایا ہو کہ وہ مولوی عبدالحق جیسی شخصیت کو ناراض نہ کرنا چاہتے ہوں اور اسی لیے انھوں نے اسے شائع نہ کرایا ہو۔

حافظ محمود شیرانی پنجاب میں اردو کے حوالے سے کئی سال کام کرتے رہے تلاش وجستجو اور تحقیق میں مصروف رہے۔ کتاب شائع ہونے کے بعد بھی انھوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا، وہ اس میں مزید اضافہ چاہتے تھے۔ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

> ''حافظ صاحب اس کی اولیں اشاعت سے مطمئن نہ تھے اور اسے از سرنو لکھنا چاہتے تھے چنانچہ پہلے ایڈیشن کے بعد بھی وہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر کام کرتے رہے بعض مباحث پر انھوں نے الگ الگ مقالات کی صورت میں تفصیل سے لکھا بھی اور اپنی کتاب کے بعض بیانات میں ترمیم و تنسیخ کر دی۔'' (۲۶)

بادشاہ لاہوری کی تصنیف ''نامۂ مراد'' ایک منظوم خط ہے جو مراد شاہ نے اپنے والد پیر کرم شاہ عرف مستا شاہ کے شاہجہان آباد کے قریب قزاقوں کے ہاتھوں (۱۲۰۱ھ) ۱۷۸٦ء میں قتل ہونے' کے بعد لکھا۔ اس منظوم خط سے دنیائے ادب پہلی مرتبہ حافظ محمود شیرانی صاحب کی تحقیقی مساعی سے روشناس ہوتی ہے۔ (۲۷) اس قسم کی کئی باتیں ہیں جن کی تحقیق حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں پیش کی ہیں۔

حافظ محمود شیرانی کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنی اس کتاب کئی پرانے شاعروں کو پردۂ گمنامی سے نکالا اور ان کے کلام کو تلاش کر کے ایک اہم تحقیقی فریضہ سرانجام دیا۔

۲۔ تبصرہ بر خزائن الفتوح امیر خسرو:

یہ تبصرہ حافظ صاحب نے ''انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح امیر خسرو کے حوالے سے لکھا

ہے۔خزائن الفتوح میں امیر خسرو نے علاءالدین خلجی کے عہد کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر مارگولیوتھ کی نگرانی میں پروفیسر محمد حبیب نے قیام آکسفورڈ کے دوران میں ''خزائن الفتوح'' کے انگریزی زبان میں ترجمے کا کام سرانجام دیا تھااور ۱۹۳۱ء میں اسے شائع کرایا گیا۔شیرانی نے جب اس ترجمے کو پڑھا تو وہ اس ترجمے سے مطمئن نہیں ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک طویل تنقیدی مضمون اس ترجمے کی زبان ،تاریخ اور جغرافیے کی فاش غلطیوں کی نشاندہی اور درستی کے لیے لکھا۔ [۲۸] حافظ صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ قابلِ اصلاح ہے۔اس میں ابھی کئی درستیاں ہونے والی ہیں۔

حافظ محمود شیرانی پروفیسر حبیب کے ترجمہ خزائن الفتوح پر تنقید میں موصوف کی فارسی دانی کی سقیم حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ [۲۹] وہ اس ترجمے میں پائے جانے والی اغلاط کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ہمیں پروفیسر صاحب کی اس بے باک جسارت پر تعجب آتا ہے کہ وہ اس ترجمے کو، جس کی کوئی سطر اسقام سے پاک نہیں، بڑے وثوق اور اطمینان کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ہمیں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اہتمام کے ساتھ غلط نویسی کا التزام کرتا اور اپنی پوری کوشش عمل میں لاتا تب بھی پروفیسر حبیب کے اس کارنامے سے بازی نہیں لے جا سکتا تھا۔آخر اس اغلاط کی کھتونی کو منظر عام پر لانے میں کون سی مصلحت ان کو نظر آئی۔'' [۳۰]

محمد وحید مرزا خزائن الفتوح کے تعارف میں دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> "It provides, indeed, a very detailed and accurate contemporary account of some of the most noteable events of Sultan Alauddin Khilji's reign especially the South Indian campaigns of his lieutenant, Malik Kafur."[31]

حافظ محمود شیرانی کے خیال میں پروفیسر حبیب نے اپنے مقدمے میں امیر خسرو کے افکار وآرا سے بحث کرنے کے بجائے اپنے خیالات اور جذباتِ عالیہ کی زیادہ نمائش کی ہے۔ (۳۲) انھوں نے اس ترجمے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس میں لغات اور محاورات اور زبان دانی کا بالکل خیال نہیں رکھا گیا۔

۳۔فردوسی پر چار مقالے:

یہ کتاب حافظ محمود شیرانی کے ان مضامین کے متعلق ہے جو انھوں نے فارسی ادب کے حوالے سے ہے۔ یہ مضامین انھوں نے مختلف اوقات میں لکھے بعد میں ان کو اکٹھا کر کے کتابی شکل میں شائع کرایا۔ یہ مقالات درج ذیل ہیں:

۱۔ شاہنامہ کی نظم کے اسباب اور زمانہ، صفحہ ۱ تا ۲۴

۲۔ ہجو سلطان محمود غزنوی، صفحہ ۲۵۔۹۸

۳۔ فردوسی کا مذہب، صفحہ ۹۹۔۱۷۹

۴۔ یوسف زلیخائے فردوسی، صفحہ ۱۸۰ تا ۲۷۲

پہلے مقالے میں حافظ محمود شیرانی نے شاہنامہ کی نظم پر روشنی ڈالی ہے۔ محمود شیرانی بتاتے ہیں کہ شاہنامہ کی نظم فارسی زبان میں ہے اور شاعری کی تاریخ میں ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہے یہ چار ضخیم جلدوں میں ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اس مضمون میں شیرانی نے شاہنامہ لکھنے کے اسباب اور وجوہات پر روشنی ڈالی ہے۔ شیرانی فردوسی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''فردوسی کی ابتدائی اور بعد کی داستانوں میں یہ نمایاں تفاوت نا قابل تشریح رہا ہے اس کی معما کشائی اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ زمانہ کے انقلاب کے ساتھ ساتھ فارسی زبان میں انقلاب کے تھپیڑوں کا تختہ مشق بن رہی تھی اور زبان میں جدید تغیرات واقع ہو رہے تھے۔ فردوسی ایک باخبر ماہر ہونے کی حیثیت سے ان تغیرات سے ہمیشہ بروقت وقوف حاصل

کرتا رہا۔ باغ سخن کا یہ سب سے بہتر اور ماہر باغبان اپنی جھولی میں وہی
پھول چنتا رہا جو سکہ رواں کی فہرست میں شامل تھے۔''(۳۳)

فردوسی نے شاہنامہ کے معاملے میں دقیقی سے رہبری حاصل کی ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے شاہنامہ کی ابتدا کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ان کے خیال میں خاتمۂ شاہنامہ میں فردوسی صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اس نے کامل پینتیس سال اس کی تصنیف میں صرف کیے۔ چونکہ ۴۰۰ھ میں شاہنامہ ختم ہوا اس لئے ظاہر ہے کہ ۳۶۵ھ میں شاہنامہ کی تعمیر کا پہلا سنگ بنیاد قائم کیا گیا ہوگا۔شاہنامہ کی ابتدا کی تاریخ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے حافظ محمود شیرانی بحث کو سمیٹے ہیں:

''اس تحقیق نے ہم کو کئی سال دیئے ہیں یعنی ۳۶۵ھ ،۳۶۸ھ اور
۳۷۰ھ چونکہ آخر الذکر سال کئی قرینوں سے برآمد ہوتا ہے اس لیے میں
اس کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں اور ۳۷۰ کو شاہنامہ کی با قاعدہ ابتداء کا پہلا
سال مانتا ہوں۔(۳۴)

اس کتاب کا دوسرا مقالہ ''ہجو سلطان محمود غزنوی'' کے عنوان سے ہے جس میں محمود غزنوی کے بارے میں لکھی گئی اس ہجو پر بات کی گئی ہے جو فردوسی سے منسوب ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ فردوسی نے سلطان کی ہجو میں ایک سو بیت لکھے۔ یہ ہجو شہر یار نے فردوسی سے ایک لاکھ میں خرید لی اور اس کو دھوڈالا سلطانی ہجو اس طرح ضائع ہوگئی اور اس کے درج ذیل چھے اشعار باقی رہ گئے:

مرا غمز کردند کاں پُر سخن	بمہر نبی و علی شُد کُہن
اگر مہر شاں من حکایت کنم	چو محمود راصد حمایت کنم
پر ستار زادہ نیاید بکار	وگر چند دارو پدر شہریار
ازیں در سخن چندر انم ہمی	چو دریا کرنہ ندانم ہمی

بہ نیکی نہ بد شاہ را دستگاد　　　وگرنہ مرا برنشاندے بگاہ
جواندر تبارش بزرگی ہنود　　　نیارست نامِ بزرگاں شنود

اس مقالے میں شیرانی نے بحث کی ہے کہ کیا مذہبی مخالفت کی وجہ سے سلطان محمود فردوسی سے ناراض تھا جس کی وجہ سے فردوسی نے اس کی ہجو لکھی۔فردوسی نے سلطان سے انعام نہ ملنے کی وجہ سے ہجو لکھی، حافظ محمود شیرانی نے اس مقالے میں یہ بحث کی ہے کہ کیا فردوسی کا شیعہ یا سنی ہونا اس ہجو کے لکھنے کا سبب ہوسکتا ہے۔

محمود نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کی فرمائش کی فی بیت ایک دینار (سونے کا سکہ) دینے کا وعدہ کر کے اپنے وعدے سے پھر گیا اور دیناروں کے بدلے ساٹھ ہزار دریم (چاندی کا سکہ) بھجوا دیئے اس وعدہ شکنی پر شاعر نے سلطان کی ہجو لکھی۔یہ بدسلوکی محرک بن سکتی ہے۔[۳۵]

ہجو کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ ذخیرہ شاہنامہ سے لیا گیا ہے ظاہر ہے کہ ربط کلام کی غرض سے بعض اشعار میں اصلاح یا تبدیلی کی گئی ہوگی سلسلہ قائم کرنے کے لیے نئے اشعار کی بھی ضرورت محسوس کی گئی ہوگی اس طرح سے ہجو تیار ہوتی ہے جو آج بغیر کسی شبہ کے فردوسی کی تصنیف مانی جاتی ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے ہجو کے حوالے سے جو تحقیق پیش کی ہے وہ اپنی جگہ اہمیت اور استناد رکھتی ہے۔فارسی ادب میں حافظ محمود شیرانی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ان کی یہ دلچسپی کئی تحقیقی مغالطوں کو دور کرنے کا سبب بنی۔ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

> ”پروفیسر شیرانی نے ہجو کے اشعار پر جو مفصل بحث کی ہے وہ کتاب کے کم وبیش سو صفحات کو حاوی ہے اس میں جو اصول مدنظر رکھے گئے ہیں اس کے بنیاد پر اس مقالے کو تحقیق ادبی کا شاہکار سمجھنا چاہیے۔اسی لیے تو ایرج افشار جیسے جہاں گرد اور جہاں دیدہ محقق نے بھی شیرانی کے فردوسی سے متعلق پانچ سو صفحات پر مشتمل مواد کو اس طرح نظرانداز کیا ہے کہ سوائے ان کے

اس چھوٹے سے مقالے کے جو مقدمۂ شاہنامۂ قدیم سے متعلق ہے
کتاب شناسی فردوسی میں کسی کا ذکر نہیں ۔ (۳۶)

تیسرا مقالہ ''فردوسی کا مذہب'' کے عنوان سے ہے اس مقالہ میں فردوسی کے مذہب کے متعلق بات کی گئی ہے کہ وہ شیعہ تھا یا سنی، ملحد تھا یا مجوسی ۔

شیرانی کے خیال میں قدیم روایات فردوسی کو شیعہ مانتی ہیں ۔ (۳۷) فردوسی کے تسنن کے متعلق اگر چہ تاریخ میں کوئی شہادت نہیں اور نہ سنیوں میں کوئی ایسی روایت ہے شاہنامہ میں کچھ ایسا ذخیرہ ملتا ہے جس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ سنت جماعت سے تھا ۔ (۳۸) اس بارے میں حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''یہ تمام وہ مواد ہے جس کی رو سے فردوسی کو سنی بھی کہا جاسکتا ہے شیعہ بھی ۔ ۔ ۔ فردوسی زیدیہ فرقہ کا متبع تھا یا اس کو اہل تسنن و تشیع نے اپنے اپنے مذہب کا رکن بنانے کی کوشش کی ہے ۔'' (۳۹)

اس کتاب کا چوتھا مقالہ یوسف وزلیخائے فردوسی کے عنوان سے ہے ۔ فردوسی نے اہلِ بغداد کی خوشنودی کے لیے اپنے قیام بغداد کے دوران میں 'یوسف زلیخا' تصنیف کی ۔ 'یوسف زلیخا' میں شاعر نے اپنی شخصیت کو چھپانے کی کوشش کی ہے ۔ 'یوسف زلیخا' کے مقدمے میں فردوسی گویا ہے کہ میں نے اکثر داستانیں اور پرانے قصے نظم کیے ہیں جن میں رزم بزم، دوستی، عداوت، بلندی اور پستی سے بحث کی گئی ہے، عشاق کے حالات لکھے، معشوقوں کا تذکرہ کیا قصہ مختصر ہر قسم کی نظم لکھی ۔ (۴۰) اس مقالے میں شہادت کلام ، اسالیب خصوصی ، افعال متعدی ، اسالیب مقامی ، اسالیب ایامی ، ادائے مطالب ، کنایات ومحاورات ، توصیفات ، عربیت ، شاہنامہ پر ایک سرسری محاکمہ پیش کیا ہے ۔

حافظ محمود شیرانی کے خیال میں ''یوسف زلیخا'' یہ فردوسی کی تصنیف نہیں ہے ۔ شیرانی نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بغیر کسی تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ یہاں ہم فردوسی سے دوچار نہیں بلکہ
کسی اور شاعر سے جو فردوسی سے مختلف ہے اور جس کی شاعری کی شہرت
بھی عام طور پر نامعلوم ہے۔''(۴۱)

حافظ محمود شیرانی کی اردو کے علاوہ فارسی زبان میں مہارت اور دلچسپی ان مقالات میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

۴۔تنقید شعر العجم :

اس کتاب میں وہ تمام مضامین شامل ہیں جو حافظ محمود شیرانی نے شبلی نعمانی کی تنقید کی کتاب ''شعر العجم''، پر تنقید کی صورت میں لکھے تھے۔ان کی اس تنقید سے شبلی نعمانی کے چاہنے والے حافظ صاحب محمود شیرانی سے ناراض بھی ہوئے مگر حافظ صاحب کے پیش نظر لوگوں کی ناراضی نہیں تھی بلکہ حقائق تھے اسی لیے انھوں نے تنقید میں کسی قسم کی رعایت سے کام نہیں لیا۔

شعر العجم کے حوالے سے حافظ محمود شیرانی کی یہ تنقید انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالے ''اردو'' اورنگ آباد میں اکتوبر ۱۹۲۲ء سے جنوری ۱۹۲۷ء تک قسطوں میں شائع ہوئی اور پہلی بار کتابی شکل میں ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ان کی اس کتاب ''تنقید شعر العجم''، کو مجلس ترقی ادب لاہور نے ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' کی پانچویں جلد کے طور پر بھی شائع کیا ہے۔''تنقید شعر العجم''، کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے عابد علی عابد لکھتے ہیں:

''تنقید شعر العجم کی زبان میں وہ غیر جانبدارانہ علمی شان ہے جو چوٹی کے
نقاد سے مخصوص ہوتی ہے۔کہیں کہیں وہ طنز کا ہلکا سا کچوکا دیتے ہیں لیکن
ایسی انسانی کمزوری کسی میں نہیں ہوتی۔اعظم گڑھ والوں سے ان کی علمی
جنگ چھڑ گئی وہ لوگ تو گویا شبلی کی پرستش کرتے تھے پھر حافظ صاحب ان
نتائج پر اعتماد رکھتے تھے جو مستند بیانات پر مبنی ہوں اور منطقی طور پر صحیح
مستخرج ہوئے ہوں۔مختصر یہ ہے کہ یہ پالا حافظ صاحب نے مارا۔انھوں

نے جس جاں کاہی سے حوالوں پر حوالے دے کر شبلی کی اغلاط کی نشاندہی
کی وہ اپنی نظیر آپ تھی۔ بعد میں کئی باتوں کے متعلق مستشرقین کی اور خود
ایران والوں کی تحقیق شائع ہوئی تو معلوم ہوا کہ حافظ صاحب جن نتائج پر
پہنچے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ (۴۲)

مہدی افادی نے جب تاریخ ادبیات ایران کی جلدیں شبلی کو بالاصرار ارسال کیں تو علامہ نے مہدی کے موسومہ خط میں لکھا: بلا مبالغہ اور بلا تصنع کہتا ہوں کہ براؤن کی کتاب دیکھ کر سخت افسوس ہوا نہایت عامیانہ اور سوقیانہ ہے۔۔فردوسی کی نسبت صرف دو تین صفحے لکھے ہیں جس میں اس کے اقتباسات بھی شامل ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے مولانا شبلی کے محولہ بالا افادات مکمل طور پر نقل کر کے اپنا Sharp Reaction بڑی وضاحت سے تحریر کیا پہلے تو شبلی کی رائے پر حسبِ عادت استہزائیہ نظر ڈالی اور پھر فردوسی پر براؤن کے اظہارات کی ترجمانی اور وکالت کا حق ادا کیا۔ (۴۳) یہ حافظ محمود شیرانی کی ناقدانہ بصیرت اور تنقیدی صلاحیت تھی کہ انھوں نے شبلی نعمانی جیسی قد آور علمی و ادبی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر اپنے تنقیدی نتائج مرتب کیے۔

رودکی کی شاعری پر بحث کے دوران شعر العجم شبلی میں رودکی کے نام سے قطران تبریزی کے کچھ اشعار درج ہو گئے۔ کچھ اشعار تو رودکی کے ہیں لیکن زیادہ منظومات، قطران کے ہیں۔۔۔دور جدید میں مشرق و مغرب کے تمام محققین میں سب سے پہلے پروفیسر شیرانی نے (تنقید شعر العجم میں) رودکی کی طرف قطران کے منظومات کے انتساب کا مسئلہ چھیڑا اور کامیابی کے ساتھ اس کا حل پیش کیا۔ (۴۴) حافظ محمود شیرانی کی تنقید و تحقیق سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح غلط انتسابات کی چھان بین کی جاتی ہے اور حقائق تک کیسے پہنچا جاتا ہے۔

۵۔تنقید پرتھی راج راسا:

یہ کتاب چند بردائی کی تصنیف ''پرتھی راج راسا'' کی تنقید پر مشتمل ہے۔ یہ تنقید گیارہ قسطوں میں اورینٹل کالج میگزین کے مختلف شماروں میں مئی ۱۹۳۴ء سے اگست ۱۹۳۸ء تک شائع

ہوئی۔ بعد میں اسے انجمن ترقی اردو (ہند) نے کتابی شکل میں ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔

راسا کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ چند بردائی کی تصنیف ہے جو پرتھی راج راسا کے عہد کا کوی تھا۔ اسی بنا پر دیسی زبانوں اس کو سب سے قدیم کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے راجپوتانے کے اکثر راجپوت خاندانوں کے زمانے اور نسب کے سلسلے میں وہ ایک نہایت قدیم ماخذ تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ کتاب پرتھی راج راسا اور سلطان شہاب الدین کے مابین جنگوں کے حالات وواقعات پر مبنی ہے جس میں پرتھی راج کی سوانح بھی شامل کی گئی ہے۔

اس کتاب سے ہندو بہت عقیدت رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کے ہاں لکھی گئی۔ وہ اس کے بڑے پرستار رہے۔ ان کے ساتھ اہلِ مغرب بھی اس کتاب کی مقبولیت کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوئے۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب ایک جعلی تصنیف ہے جو کہ سترہویں صدی میں لکھی گئی ہے۔ اور اس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

''پروفیسر شیرانی نے اور بھی بہت سے شواہد ونظائر اس امر کے لیے پیش کیے ہیں کہ راسا کوئی معاصر تصنیف نہیں بلکہ ایک مؤخر تالیف ہے جو اکبری یا عہد جہانگیری سے تعلق رکھتی ہے۔''(۴۵)

اس مقبول عام کتاب کے حوالے سے کویراج شیامل داس جی کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالے میں طبع ہونے والے ایک محققانہ اور عالمانہ مضمون نے یہ ثابت کر دیا کہ 'راسا' ایک جعلی تصنیف ہے جس نے 'راسا' کے پرستاروں میں غم وغصے کی لہر دوڑا دی جس سے ایک نئی بحث کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

۶۔ خالق باری:

''خالق باری'' کو ایک عرصہ تک امیر خسرو کی تصنیف سمجھا جاتا رہا۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنی تحقیق میں ثابت کیا کہ ''خالق باری'' امیر خسرو کی تصنیف کردہ نہیں ہے۔ خلیق انجم لکھتے ہیں:

''خالق باری' ایک طویل عرصے تک امیر خسرو سے منسوب رہی ہے۔ اس کے

اصل مصنف عہد جہانگیر کے ایک شاعر ضیاء الدین خسرو ہیں اور یہ ۱۰۳۱ھ
میں تصنیف ہوئی تھی جب کہ امیر خسرو کا انتقال ۷۲۵ھ میں ہوا تھا۔ اس
کتاب کے اصل مصنف کے انکشاف کا سہرا محمود شیرانی کے سر ہے۔''(۴۶)

''خالق باری'' کے حوالے سے حافظ محمود شیرانی کے تاریخ ساز کام کو جتنا سراہا جائے وہ کم ہے، ڈاکٹر گیان چند اسے داد سے ماورا مانتے ہیں اور حفظ اللسان معروف بہ خالق باری از محمود شیرانی کو ڈی لٹ کی ڈگری کے شایانِ شان کارنامہ قرار دیتے ہیں۔(۴۷) بقول گیان چند:

''انھوں نے اس منظوم لغت کا جو داخلی جائزہ لیا ہے، وہ ڈی لٹ کے
مقالوں میں بھی کہاں ملتا ہے۔۔۔شیرانی خالق باری کو خسرو کی تصانیف
سے نکالنے میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہوں کہ نہ ہوئے ہوں لیکن
مفت کرم داشتن کے طور پر ''قصہ چہار درویش'' کو جو خسرو کی زنبیل میں
ڈال دیا گیا تھا، شیرانی نے اسے نکال پھینکا۔(۴۸)

حافظ محمود شیرانی نے اس تحقیقی کارنامے کو سرانجام دے کر نہ صرف ادبی بلکہ تاریخی نوعیت کا کام کیا ہے۔ ہاشمی فرید آبادی ''خالق باری'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے اسی ژرف نگاہی سے جو ان کا حصہ تھی اسے
مطالعہ کیا اور بتایا کہ 'خالق باری' کی زبان اکبر و جہانگیر کے عہد سے پہلے
کی نہیں ہو سکتی۔ اس تحقیقی مقالے کی اشاعت کے تھوڑے دن بعد جناب
مولوی صاحب کو 'خالق باری' کا ایک قدیم نسخہ ملا جس میں مؤلف کا نام
ضیاء الدین خسرو شاہ اور سن تصنیف ۱۰۳۱ھ تحریر تھا۔ اس نے شیرانی مرحوم
کی حیرت انگیز بصیرت اور تحقیق کو قطعی طور پر ثابت کر دیا۔ پھر انھی کی تصحیح
اور مقدمے کے ساتھ یہ کتاب انجمن ترقی اردو نے شائع کر دی۔(۴۹)

'خالق باری' کے حوالے سے تحقیق حافظ محمود شیرانی کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے جتنا

بھی سراہا جائے کم ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے مدتوں سے چلے آ رہے ایک نظریے کو چیلنج کیا اور تحقیق ودلائل سے ثابت کیا کہ 'خالق باری' امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے۔

۷۔ مقالات شیرانی:

اس کتاب میں حافظ محمود شیرانی کے درج ذیل ۹ مقالات شامل ہیں:

۱۔ چند لمحے وکٹوریہ البرٹ میوزیم میں، یہ مضمون حافظ محمود شیرانی نے قیام لندن کے دوران میں لکھا تھا۔

۲۔ قصہ چہار درویش

۳۔ ملا دو پیازہ اور جعفر زٹلی کی سوانح عمری کا جائزہ اور تنقید

۴۔ ایران کا زندہ جاوید شاعر ''فردوسی'' (یہ مقالہ ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' جلد چہارم مرتبہ مظہر محمود شیرانی میں بھی شامل کیا گیا ہے)

۵۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں، (یہ مقالہ ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' جلد اول مرتبہ مظہر محمود شیرانی میں بھی شامل کیا گیا ہے)

۶۔ حالی اور مسدس حالی، (یہ مقالہ ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' جلد سوم مرتبہ مظہر محمود شیرانی میں بھی شامل کیا گیا ہے)

۷۔ دیوان خواجہ معین الدین چشتی، (یہ مقالہ ''مقالات حافظ محمود شیرانی جلد ششم مرتبہ مظہر محمود شیرانی میں بھی شامل کیا گیا ہے)

۸۔ فارسی شاعری اور اس کی قدامت

۹۔ میر قدرت اللہ خاں قاسم اور ان کی تصنیف مجموعہ نغز، (یہ مضمون ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' جلد سوم مرتبہ مظہر محمود شیرانی میں بھی شامل کیا گیا ہے)

۸۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد اول:

یہ جلد ۳۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ کے شروع میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا لکھا ہوا

مقدمہ ہے جس میں انھوں نے حافظ محمود شیرانی کی زندگی اور ان کے کارناموں پر بات کرتے ہوئے ان کی محققانہ خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ مقدمہ کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''بزرگ وار استاد مرحوم و مغفور پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی ان فضلائے کبار میں سے تھے جن کی تحریر کی ہر ہر سطر کو مستند اور معیاری قرار دیا جاسکتا ہے اور قرار دیا گیا ہے۔''(۵۰)

مقدمہ کے بعد حافظ محمود خاں شیرانی کے حالات زندگی دیے گئے ہیں۔ حالات زندگی میں ان کا وطن، قبیلہ، ولادت، والدین، بہن بھائی، ابتدائی تعلیم، لباس، مزاج، عادت و اطوار، اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن روانگی، لندن میں ان کی مصروفیات، بیماری، والد کی وفات، ان کی وطن واپسی، خاندانی حالات، بھائیوں میں نا اتفاقی اور جائیداد کا جھگڑا، دوبارہ لندن روانگی، لوزک اینڈ کمپنی کے خرچ پر ان کی دوبارہ وطن آمد، پہلی جنگ عظیم، اسلامیہ کالج میں ملازمت، اورینٹل کالج کی ملازمت، ریٹائرمنٹ، وفات، ان کے دوست احباب، سیرت و کردار، غرض ان کی زندگی پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس جلد میں حافظ محمود شیرانی کے تیرہ مضامین شامل ہیں۔

۱۔ ریختہ، یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین میں مئی ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔

۲۔ اردو زبان اور اس کے مختلف نام، یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین لاہور میں مئی ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ اردوئے قدیم کے متعلق چند تصریحات، یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین لاہور میں مئی ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔

۴۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی فارسی تالیفات سے اردو زبان کے وجود کا ثبوت، یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین لاہور میں نومبر ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا۔

۵۔ فارسی زبان کی ایک قدیم فرہنگ میں اردو زبان کا عنصر، یہ مقالہ حافظ محمود شیرانی نے نواب صدر یار جنگ کے زیرِصدارت لاہور میں منعقد ہونے والی آل انڈیا اورینٹل کانفرنس میں پڑھا تھا، بعد میں یہ مضمون دو قسطوں میں رسالہ 'مخزن' لاہور، شمارہ مارچ و اپریل ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا تھا۔

۶۔ اردو کے فقرے اور دوھرے آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی فارسی تصنیفات سے، یہ مضمون ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، میں اگست ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔

۷۔ گوجری یا گجراتی اردو دسویں صدی ہجری میں، یہ مضمون دو قسطوں میں ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، میں نومبر ۱۹۳۰ء وفروری ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔

۸۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں از احمد دکنی، یہ مضمون ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور، میں نومبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا۔

۹۔ سب رس از ملا وجہی، یہ مضمون انھوں نے سب رس پر بطور تبصرہ تحریر کیا تھا۔ یہ مضمون ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور میں نومبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۰۔ مثنوی یوسف زلیخا از شیخ محمد امین، یہ مضمون حافظ کے ایک مضمون ''گوجری یا گجراتی اردو دسویں صدی ہجری میں'' کا ایک حصہ تھا، جسے مرتب نے علیحدہ مضمون کی شکل دے کر نیا عنوان دے دیا۔

۱۱۔ رسالہ 'تاج' کا اردوئے قدیم نمبر، یہ مضمون ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور میں مئی ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۲۔ اردو شہ پارے (جلد اول) از ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، یہ مضمون ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور میں مئی ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۳۔ رسالہ 'ہندوستانی' کا پہلا شمارہ، یہ مضمون ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور میں مئی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔

جلد کے آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے جو کہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے مرتب کیا ہے۔ یہ اشاریہ شخصیات، مقامات، اصطلاحات، کتابیات کے حوالے سے مرتب کیا گیا ہے۔ آخر میں صحت نامۂ اغلاط دو صفحات پر دیا گیا ہے۔

۹۔مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد دوم:

اس جلد میں حافظ محمود شیرانی کے جو مقالات شامل ہیں وہ مختلف ادوار میں ''اورینٹل کالج میگزین''، لاہور میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مقالہ شمالی ہند میں اردو دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں اورینٹل کالج میگزین لاہور میں مئی اگست ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ حصہ الف ''اردو مغلوں کے دربار میں''، ظہیر الدین بابر، اکبری دور کے زنانہ لباس اور زیور، شکار کی اصطلاحات، ہاتھی کا سامان، ہاتھی کے خدمتی، جہازی اصطلاحوں اور نورالدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہاں کے حوالے سے ہے۔

حصہ ب میں اس دور کے اردو شعراء مولانا جمالی، حکیم یوسفی، ملا نوری، شیخ سعدی، شیخ برہان، شیخ گدائی کنبوہ، کوکب، خاکی، محمد افضل جھنجھانوی، روشن ضمیر کے بارے میں ہے۔

دوسرا مقالہ ''دسویں صدی ہجری کے بعض دریافت شدہ ریختے'' اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں مئی ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں مقالہ نگار نے جیمل تھار کی ۱۰۶۲ھ و ۱۰۶۷ھ میں مرتب کردہ ایک قدیم بیاض کا ذکر کیا ہے اور ریختہ حضرت امیر خسرو پر بھی بحث کی گئی ہے۔ حافظ محمود شیرانی ریختہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ریختہ سے ہماری مراد ایسا کلام منظوم ہے جس میں ملمع کی طرح فارسی اور ہندی کے الفاظ یا فقرے متحد ہو کر کسی خاص مقصد اور مفہوم کو ادا کریں۔''(۵۱)

تیسرا مقالہ ''بکٹ قصہ محمد افضل جھنجھانوی'' اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں اگست ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ اس قصہ کی زبان کے حوالے سے حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''اس کی زبان دکنی زبان سے مختلف ہے اگرچہ بہت کچھ مشابہ ہے لیکن

ایسے غریب الفاظ سے پاک ہے جو دکنی مثنویات لیلیٰ مجنوں، احمد قطب شاہی اور امین کی یوسف وزلیخا میں ہماری نظر سے گزرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو زبان دکنی سے بہت پہلے منجھ کر صاف ہو چکی تھی۔''(۵۲)

چوتھا مقالہ ''پنجاب میں اردو کی سرگزشت کا ایک فراموش ورق'' سالنامہ کارواں میں ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔

پانچواں مقالہ ''محمد شاہ کے عہد میں پنجابی جفت فروشوں کے فساد پر بے نوا سنامی کا مخمس''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں اگست ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔

چھٹا مقالہ دائرہ کے مہدیوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ'' کے عنوان سے ہے جو اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں نومبر ۱۹۴۰ء اور فروری ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۰۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد سوم:

اس جلد میں ۵ مقالات شامل ہیں:

پہلا مقالہ میر قدرت اللہ قاسم اور ان کی تالیف ''مجموعہ نغز'' کے بارے میں ہے۔ حافظ صاحب کی مرتب کردہ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ شروع میں مصنف کے حالات اور کتاب کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مجموعہ نغز پر ''آب حیات'' کا ماخذ ہونے کے لحاظ سے بھی بات کی گئی ہے۔

دوسرا مقالہ 'تنقید بر آب حیات' ہے جو حافظ صاحب نے نبیرۂ آزاد محمد باقر کی درخواست پر کی تھی۔ یہ سلسلہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں شروع کیا گیا تھا آغا صاحب نے اسے پڑھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جس کی وجہ سے حافظ صاحب نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ یہ نامکمل تنقید تین قسطوں میں اورینٹل کالج میگزین، لاہور کے اگست ۱۹۴۱ء نومبر ۱۹۴۱ء اور فروری ۱۹۴۲ء کے شماروں میں شائع ہوئی۔ اس مضمون کے حوالے سے ڈاکٹر اسلم سروہی لکھتے ہیں:

''حافظ محمود شیرانی کا مضمون 'تنقید بر آب حیات' اردو تحقیق میں سند کا درجہ

رکھتا ہے۔اس میں شیرانی نے آزاد کی بیشتر تاریخی غلطیوں نشاندہی کی ہے
اور بنیادی مآخذ تک رسائی کر کے ان پر جرح وتعدیل کی ہے۔‘‘(۵۳)

تیسرا مقالہ ’’شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد اور دیوان ذوق‘‘ حافظ محمود شیرانی نے اپنی آخری زندگی میں تحریر کیا تھا جب ان کی صحت گر چکی تھی اور وہ ٹونک میں مقیم تھے یہ مضمون تین حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ تنقید دیوان ذوق مرتبہ آزاد
۲۔ دیوان ذوق پر آزاد کی اصلاحات
۳۔ دیوان ذوق میں آزاد کے اضافے

یہ تینوں حصے رسالہ ہندوستانی الہ آباد میں سات قسطوں میں شائع ہوئے۔ پہلی قسط اکتوبر ۱۹۴۴ء اور آخری قسط حافظ صاحب کی وفات کے بعد جنوری واپریل ۱۹۴۷ء میں۔ چوتھا مضمون مرزا غالب کا کلام اردو وفارسی رسالہ غالب امرتسر کے جون ۲۷، ۱۹۱۹ء کے شمارے میں چھپا تھا یہ مضمون رنگین نثر میں ہے۔اس میں گیرائی ہے گہرائی نہیں۔

پانچویں مضمون حالی اور مسدس حالی میں مولانا حالی کے مختصر حالات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے شاہکار مسدس پر نظر ڈالی گئی ہے۔اس مضمون میں مولانا الطاف حسین حالی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی دالی گئی ہے۔کے بچپن، ابتدائی تعلیم، شادی، غالب سے تعلق، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی ہم جلیسی، شعر وشاعری میں نکھار، ۱۸۹۳ء میں دیوان کی طباعت تصنیفات، ۱۸۶۷ء میں پہلی کتاب تریاق مسموم جو کہ پادری عماد الدین کی کتاب ہدایت المسلمین کے جواب میں لکھی۔

۱۱۔مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد چہارم:

اس جلد میں پہلا مضمون ایران کا زندہ جاوید شاعر فردوسی کے عنوان سے ہے یہ مضمون کلکتہ میں منائی جانے والی فردوسی کی ہزار سالہ برسی کے موقع پر لکھا گیا۔حافظ شیرانی فردوسی اور شاہنامے کے حوالے سے کئی مضامین پہلے بھی تحریر کر چکے تھے۔وہ تمام مضامین اس جلد میں اکٹھے

کر دیے گئے ہیں۔اس مضمون میں فردوسی اور اس کے علمی کارناموں پر بات کی گئی ہے۔ دوسرا مضمون شاہنامے سے فردوسی کے حالات کے حوالے سے ہے۔اس مضمون میں فردوسی کی سب سے پہلی تصنیف بیژن (منظوم داستان)،شاہنامے کی تصنیف،طوسی اور کی نظموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرا مضمون شاہنامے کی نظم کے اسباب اور زمانہ سے متعلق ہے۔ جبکہ چوتھا مضمون ہجو سلطان محمود غزنوی کے عنوان سے ہے جس میں ہجو کی ابتدا، اشعار ہجو، اشعار شاہنامہ، اشعار غیر شاہنامہ کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ پانچواں مضمون 'فردوسی کا مذہب' کے عنوان سے ہے جس میں اسپہبد شہریار، فردوسی کا اعتزال، فردوسی کا تسنن، امثال از شاہنامہ اور فردوسی کے ترجمے کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

چھٹے مضمون یوسف وزلیخائے فردوسی کے ذیل میں شہادت کلام، اسالیب خصوصی، افعال متعدی بیک مفعول، اسالیب مقامی، اسالیب ایامی، ادائے مطالب توصیفات، عربیت، عربی فارسی الفاظ کی ترکیب، اضافت کا استعمال، شاہنامے پر ایک سرسری نظر، محاکمہ، صاحبِ زلیخا کی مضمون دزدی جیسے موضوعات کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔

ساتواں مضمون فردوسی کی تعلیم (تنقید وتبصرہ) ہے۔آٹھویں مضمون میں دیباچۂ شاہنامہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے۔

مثنوی یوسف وزلیخا پر تنقید اور فردوسی سے اس کے انتساب کی تردید میں حافظ صاحب کا معرکہ آرا مضمون فردوسی پر چار مقالے کے سلسلے کا آخری مضمون تھا۔ حافظ صاحب نے سب سے پہلے اس موضوع پر نہایت مدلل اور مفصل انداز سے بحث کی اور اس نسبت کو نا قابل تسلیم قرار دیا۔ [۵۴] یہ مضمون اپریل ۱۹۲۲ء میں سہ ماہی اردو میں شائع ہوا تھا۔

شاہنامے اور مثنوی یوسف وزلیخا کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''شاہنامے اور یوسف زلیخا کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں
> کتابیں اسلوب بیان وزبان میں مختلف ہیں۔شاہنامے میں جہاں

اجمال ہے ،یوسف وزلیخا میں تفصیل اور طوالت دیکھی جاتی ہے ۔
شاہنامے سے ہم خو بو،مزاج پسند وناپسند،اخلاقی نصب العین اور سوانح
زندگی کے متعلق بہت کچھ جان سکتے ہیں لیکن یوسف زلیخا میں شاعر نے
اپنی شخصیت کواس قدر چھپانے کی کوشش کی ہے کہ باوجود تمام کتاب پڑھ
چکنے کے ہم اس کی ذات کے متعلق کوئی اطلاع حاصل نہیں کر سکتے ۔"(۵۵)

حافظ محمود شیرانی کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ یوسف زلیخا فردوسی کی تصنیف نہیں ہے۔یوں ایک مغالطہ جو عرصہ دراز سے چلا آرہا تھا وہ ان کی کاوشوں سے دور ہوا۔

۱۲۔مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)،جلد پنجم:

حافظ محمود شیرانی کی تنقید شعر العجم اکتوبر۱۹۲۲ء سے جنوری ۱۹۲۷ء تک انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالے''اردو''اورنگ آباد میں قسط وار شائع ہوئی۔تنقید شعرالعجم پہلی بار کتابی شکل میں ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ جسے مجلس ترقی ادب لاہور نے مقالات حافظ محمود شیرانی کی پانچویں جلد کے طور پر شائع کیا ہے۔

اس اشاعت میں اضافے بھی کیے گئے ہیں۔مثلاً حواشی میں جدید ایرانی محققین کی تحقیقات کے نتائج سے بعض اقتباسات اور حوالے بھی درج کردیے گئے ہیں۔بعد میں طبع ہونے والے دواوین سے مقابلے کے نتیجے میں شعرا کے کلام متن کا اختلاف بھی پاورقی میں دکھایا گیا ہے۔(۵۶)

تنقید شعرالعجم حصہ اول میں شہید بلخی، رودکی، دقیقی، ابوشکور بلخی،عمارہ مروزی اور دور غزنویہ میں فرخی،فردوسی،منوچہری، اسدی طوسی، چوتھے دور میں حکیم سنائی، انوری، سلطان سنجر، ظہیر،نظامی گنجوی کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔تنقید شعرالعجم حصہ دوم میں شیخ فریدالدین عطار اور تصنیفات شیخ فریدالدین عطار پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس جلد میں کچھ ضمائم بھی شامل ہیں۔ان ضمائم میں فارسی شاعری اور اس کی قدامت،

ضمیمہ متعلق رباعی، دقیقی، قابوس نامہ، قابوس نامے کے مصنف امیر عنصر المعالی کیکاؤس کے مختصر حالات بھی دیے گئے ہیں۔شیخ فریدالدین عطار اور حکایات سلطان محمود ،رابعہ بنت الکعب القزداری،بعض شعرائے فارسی کے متعلق شیخ عطار کے بیانات،عمر خیام(یہ مضمون ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا لکھا ہوا جو انھوں نے محمود شیرانی کے کہنے سے لکھا۔آخر میں اشاریہ اشخاص اسماء الکتب، اصطلاحات،مقامات دیا گیا ہے۔

۱۳۔مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)،جلد ششم:

اس جلد میں آٹھ مقالات شامل ہیں۔جو کہ برعظیم میں فارسی ادب سے متعلق ہیں۔

پہلا مضمون ڈاکٹر اقبال حسین لیکچرر پٹنہ کالج کے انگریزی مقالے ''ہندوستان کے قدیم شعراء ۴۲۱ھ تا ۶۷۹ھ'' کے تبصرے کے طور پر لکھا گیا جو کہ اورینٹل کالج میگزین۔لاہور میں مئی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا۔

دوسرا مضمون شمس العلماء عبدالغنی کی کتاب ''ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب ''پر تنقید سے متعلق ہے۔یہ مضمون حافظ محمود شیرانی نے پنجاب یونیورسٹی کی ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد اور اپنے وطن ٹونک (راجپوتانہ) پہنچ جانے کے بعد لکھا تھا۔اسی بنا پر وہ اس تنقید کو تشنہ محسوس کرتے تھے[۵۷] کیونکہ وہ اپنا تمام قلمی سرمایہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں رکھوا چکے تھے اور اب ان کے پاس وہ کتابیں نہیں تھیں جن سے وہ اپنے اس مضمون میں مدد لے سکتے۔

تیسرا مضمون دیوان خواجہ معین الدین اجمیری کے موضوع پر ہے۔مغالطے کی وجہ سے یہ دیوان خواجہ معین الدین اجمیری سے منسوب کر دیا گیا تھا۔۔حافظ محمود شیرانی نے اپنی تحقیق سے نہایت ہی مدلل انداز میں یہ ثابت کیا کہ یہ دیوان درحقیقت ہرات کے مولانا معین الدین فراہی کا ہے۔

چوتھا مضمون ''خزائن الفتوح از امیر خسرو دہلوی'' کے عنوان سے ہے۔''خزائن الفتوح''،کو سید معین الحق نے مرتب کر کے علی گڑھ کی انجمن تاریخ کے زیر اہتمام ۱۹۲۷ء میں شائع کرایا۔حافظ صاحب نے بطور تبصرہ اس پر ایک مضمون لکھا تھا۔اس کتاب کے بارے میں حافظ

محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''اس کے نسخے بہت کمیاب ہیں اور اس کے بعض اقتباس صرف ایلیٹ کی تاریخ کے ذریعے سے معلوم ہیں۔ ''خزائن الفتوح'' کا متن برٹش میوزیم کے نسخے آر ۱۶۳۸،۱۱ اور سید حسن برنی بلند شہری کے نسخے پر مبنی ہے۔ دونوں نسخوں میں اس قدر کم اختلاف ہے کہ اس کو علیحدہ ذیلی حاشیے میں دکھانا ضروری نہ تھا۔''(۵۸)

پانچواں مضمون ''انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح امیر خسرو'' کے عنوان سے ہے۔ پروفیسر مارگولیوتھ کی نگرانی میں پروفیسر محمد حبیب نے قیام آکسفورڈ کے دوران میں خزائن الفتوح کے انگریزی زبان میں ترجمے کا کام سرانجام دیا۔ اور ۱۹۳۱ء میں اسے شائع کرایا گیا۔ بقول شیرانی خسر وان کے بس میں نہیں آئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک طویل تنقیدی مضمون اس ترجمے کی زبان، تاریخ اور جغرافیے کی فاش غلطیوں کی نشاندہی اور درستی کے لیے لکھا۔(۵۹) حافظ صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ قابلِ اصلاح ہے۔

چھٹا مضمون مثنوی ''عروۃ الوثقیٰ'' از شہابی کے عنوان سے ہے۔ حافظ صاحب نے ایک گمنام شاعر شہابی کی دلچسپ مثنوی عروۃ الوثقیٰ سے ہمارا مفصل تعارف کرایا ہے۔ اس مثنوی کا مخطوطہ حافظ صاحب کے پاس موجود تھا جو انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا۔

ساتواں مقالہ ایک کم معروف شاعر ''صلائی'' کے حالات اور اس کی شاعری کے تبصرے پر مشتمل ہے۔ اس مقالے میں بعض تاریخی اشارے بھی ملتے ہیں۔

آٹھواں مقالہ جہانگیر اور شاہجہان کے دور کے شاعر مولانا ابوالبرکات منیر لاہوری کی سوانح حیات کے موضوع پر ہے۔

آخر میں ضمائم شامل ہیں۔ جن میں ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب جو کہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں اگست نومبر ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ضمیمہ دیوان خواجہ معین

الدین چشتی اجمیری کے متعلق ہے جو کہ رسالہ ''اردو'' کراچی میں جولائی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۴۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد ہفتم:

یہ جلد چند بردائی کی کتاب ''پرتھی راج راسا'' کی تنقید پر مشتمل ہے۔ یہ تنقید گیارہ قسطوں میں اورینٹل کالج میگزین کے مختلف شماروں میں مئی ۱۹۳۴ء سے اگست ۱۹۳۸ء تک شائع ہوئی۔ بعد میں اسے انجمن ترقی اردو (ہند) نے کتابی شکل میں ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔

۱۸۸۶ء تک یہ کتاب نہایت مقبول رہی اس کے تراجم کئی زبانوں میں ہوئے لیکن کویراج شیامل داس جی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے اس حوالے سے ایک محققانہ اور عالمانہ مضمون لکھا جس میں بتایا کہ 'راسا' ایک جعلی تصنیف ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ کتاب 'راسا' سترہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ کویراج نے 'راسا' کی تاریخوں کو غلط ثابت کرنے کے لیے اسلامی تاریخ سے بھی مدد لی اور اسلامی تاریخ ہی کی روشنی میں 'راسا' کے جھوٹ کا پول کھول کر رکھ دیا۔ 'راسا' کے مرتبین نے 'راسا' کو درست اور اس کے بیانات کو سچ مانتے ہوئے مسلمان مؤرخین کو مورد الزام ٹھہرایا کہ انھوں نے سلطان شہاب الدین کی زندگی کے ان تاریک پہلوؤں کو سامنے لانے سے گریز کیا ہے، جو سلطان شہاب الدین کے خلاف جاتے تھے۔ کویراج کے لکھے ہوئے۔ اس مضمون کی اشاعت نے 'راسا' کے معتقدین میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی اور 'راسا' کے حوالے سے بحث مباحثے کا ایک نیا باب وا کر دیا۔

حافظ محمود شیرانی 'دیباچہ' میں لکھتے ہیں:

> ''راسا کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ چند بردائی کی تصنیف ہے جو پرتھی راج راسا کے عہد کا کوی تھا۔ اسی بنا پر دیسی زبانوں اس کو سب سے قدیم کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے راجپوتانے کے اکثر راجپوت خاندانوں کے زمانے اور نسب کے سلسلے میں وہ ایک نہایت قدیم ماخذ تسلیم کی جاتی ہے بلکہ والیانِ اودے پور، جودھپور و جے پور، بوندی وسروہی

اس کے اعتبار پر اپنے اسلاف کا زمانۂ حیات وممات متعین کرتے ہیں۔
راسا کا موضوع خاص اگر چہ پرتھی راج والیِ اجمیر ودہلی کے سوانح حیات و
جنگی کارناموں کا تذکرہ بیان کرتا ہے لیکن شہاب الدین کے ساتھ پرتھی
راج کی جنگوں میں ان والیانِ ریاست کے اسلاف بھی پرتھی راج کے
معاون اور شریک کار بتائے گئے ہیں۔''(۶۰)

یہ مقالہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔حصہ 'الف' میں مطالب دیے گئے ہیں۔
حصہ 'ب' میں تنقید اور حصہ 'ج' میں 'راسا' پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ جلد ۴۶۴ صفحات پر
مشتمل ہے۔۴۷۱ صفحات کے بعد، اشاریہ دیا گیا ہے جو کہ مظہر محمود شیرانی نے مرتب کیا ہے۔یہ
اشاریہ اشخاص واقوام، مقامات و ادارے، کتب ورسائل، اصطلاحات کے حوالے سے بنایا گیا
ہے۔مظہر محمود شیرانی اس تنقید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس حصے میں فاضل مصنف نے داخلی تنقید اور تنقید متن کا جو بلند معیار
پیش کیا ہے اس کی داد کچھ اہلِ علم ہی دے سکتے ہیں ۔ اس ضمن میں
مسلمانوں کے آلاتِ جنگ اور خصوصاً آتشیں اسلحے سے متعلق مہیا کی
ہوئی معلومات نہایت قابلِ قدر ہیں۔علاوہ ازیں متعدد اسماء اور
اصطلاحات کی بابت بھی قیمتی اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔اپنا نقطۂ نظر
تسلیم کرانے کے لیے ناقد کا انداز سرتاسر ایک ماہر قانون داں کا ہے، جو
اپنے مقدمے کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتا اور فریقِ ثانی کے بیان کا کوئی
کمزور حصہ اس کی ژرف نگاہی سے نہیں بچ سکتا۔''(۶۱)

'راسا' ایک عرصہ تک اپنے قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کرتی رہی۔اس کتاب کی
تحریر پرتھی راج والیِ اجمیر ودہلی کے سوانحی وجنگی حالات کی عکاسی کرتی ہے۔اس میں شہاب الدین
اور پرتھی راج کی جنگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

۱۵۔مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد ہشتم:

یہ جلد تین حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول: کتب نصاب

حصہ دوم: عروض

حصہ سوم: سکہ جات قدیمہ

حصہ اول میں بچوں کے تعلیمی نصاب کے علاوہ خالق باری کے حوالے سے بات کی گئی ہے، اس ضمن میں فارسی نصاب، اردو نصاب، لغات ہندی، پنجابی نصاب، فہرست کتب نصاب فارسی، فہرست اردو نصاب، او پنجابی زبان کے نصاب پر بات کی گئی ہے۔اس کے بعد دیباچہ اول خالق باری، دیباچہ دوم خالق باری اور متن خالق باری کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

حصہ دوم عروض اور اوزان کے بارے میں ہے۔اس حوالے سے چار مقالات دیے گئے ہیں۔جن میں سے پہلا مقالہ ''رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ'' (اورینٹل کالج میگزین، لاہور، فروری ۱۹۴۰ء، مئی ۱۹۴۰ء)، اس ضمن میں شجرۂ اخرم نمبر ا اور شجرۂ اخرب نمبر ا پر بات کی گئی ہے۔دوسرے مقالے میں ''عروض جدید'' (اورینٹل کالج میگزین، لاہور نومبر ۱۹۶۱ء) کے حوالے سے تقسیم ہجائی، انفکاک بحور اور شاعری اور بحور کے ضمن میں طریق تقطیع کو زیر بحث لایا گیا ہے۔تیسرا مقالہ ''زمیندار' و 'معارف' میں عروضی بحث'' (روزنامہ ''زمیندار'' ۲۵، اکتوبر ۱۹۲۴ء)، اور چوتھا مقالہ ''ایک عروضی بحث'' (ماہنامہ ''انتخاب'' لاہور جنوری ۱۹۲۶ء) کے نام سے شامل ہے۔

حصہ سوم میں بھی چار مضامین ہیں جو کہ سکہ جات کے بارے میں ہیں۔پہلا مضمون سکہ جات قدیمہ کے عنوان سے ہے جو کہ ماہنامہ خیالستان میں اپریل ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا۔اس مضمون میں سکہ کی ابتدا، اسلامی سکہ، بغیر نام کا سکہ، مختلف اسلامی ممالک اور خاندانوں کے سکے، سنی شیعی سکوں کا فرق، درم و دینار، زبانیں، مسیحی سکے، عربی اور دیوناگری اور تصویری

سکوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

دوسرا مضمون پہلی صدی ہجری میں عرب عمال کے ایرانی مسکوکات۔جو کہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں فروری ۱۹۴۰ء اور مئی ۱۹۴۰ء کے شماروں میں شائع ہوا۔اس مضمون میں عبداللہ ابن عامر بن کریز، عبداللہ بن زیاد، مسلم ابن زیاد کے دور کے سکے، ٹکسالوں پر نوٹ، پہلوی خط کی اشکال، فہرست عربی اور سلسانی مسکوکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا مضمون نمائش مخطوطات ومسکوکات کے حوالے سے ہے جو کہ اورینٹل کالج میگزین لاہور میں نومبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔اس میں طلائی سکوں اور نقرئی سکوں کا ذکر کیا گیا ہے۔جبکہ چوتھا مضمون نیلسن وائٹ کے نام ایک خط کے عنوان سے ہے۔

ان مضامین کے بعد اشاریہ دیا گیا ہے جو کہ اشخاص، اقوام وطبقات، بلا دواماکن، ادارہ جات، کتب وجرائد، مطابع، السنہ، رسم الخط، ادوار واوقات، اصطلاحات عروض، اصطلاحات سکہ شناسی، اصطلاحات عمومی کے حوالے سے بنایا گیا ہے۔

۱۶۔مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد نہم:

جلد کے شروع میں مظہر محمود شیرانی نے عرض مرتب کے عنوان سے اس جلد اور حافظ محمود شیرانی کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔یہ جلد چار حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول:' تصنیفات' کے نام سے ہے جس میں ۶ مقالات شامل ہیں۔پہلا مضمون '' قرآن پاک کی ایک قدیم تفسیر'' کے عنوان سے ہے۔شیرانی صاحب کے ذخیرۂ کتب میں ایک قدیم تفسیر کے چھیالیس اوراق تھے، یہ مضمون اسی پرانے مخطوطے پر روشنی ڈالتا ہے۔اس مضمون کی وجہ سے ہمیں وہ اصول وضوابط معلوم ہوتے ہیں جو کسی مجہول الاول وآخر مخطوطے کے تعارف ومطالعہ کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔اس مضمون میں انھوں نے املا ورسم الخط، مخطوطے پر عربی کا اثر، فہرستِ الفاظِ تفسیر، اقتباساتِ تفسیر دیے گئے ہیں۔اس مخطوطے کے سن تصنیف کے بارے میں حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''اگر تفسیر کی زبان کو اس سلسلہ میں معیار مانا جائے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ وہ چوتھی صدی کے منتصف دوم یا بنظر احتیاط پانچویں صدی کے ربع اول میں لکھی گئی ہوگی۔ اس کی زبان فردوسی کی زبان سے ملتی جلتی ہے اور شاہنامہ کے اکثر الفاظ اس میں نظر آتے ہیں۔''(۶۲)

دوسرا مضمون ''قصۂ چہار درویش'' ہے جو کہ سالنامہ کاروان میں ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں حافظ محمود شیرانی نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہ قصہ امیر خسرو کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں میں قصوں اور افسانوں کے متعلق ہر زمانے میں تعصب رہا ہے۔ فسانہ وامق وعذرا اور ویس ورامین اسی بنا پر ممنوع تھے اس لیے کوئی تعجب نہیں اگر امیر خسرو کو اس کا مصنف بنا کر اور نظام الدین اولیاء سے تبریک دلوا کر مرتب قصہ نے اس کو مقبول عام بنانے کی غرض سے دروغ مصلحت آمیز والا حیلہ تراشا ہو۔ نیم مذہبی قصوں میں مصنفین قاری وسامع کو ثواب دارین کی بشارت اکثر دیا کرتے تھے۔''(۶۳)

قصہ چہار درویش کو حکیم محمد علی صدیقی کی تصنیف ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہوئے ہیں:
باوجودیکہ اس قصے کے ایک سے زیادہ متن ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کی زبان بھی ایسی نہیں جسے امیر خسرو یا ان کے عہد کی زبان کہا جاسکے۔ امیر خسرو کی فارسی نثر کے نمونے کافی تعداد میں ہماری دسترس میں ہیں جن کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ امیر خسرو صنایع وبدایع، دقت پسندی اور پیرائیۂ کلام کو پیچ دے کر دشوار فہم بنانے کے عادی تھے۔ لیکن یہ نسخہ نہایت سادہ وسلیس اور خوش مذاقی کی حد تک مقفی اور رنگین عبارت میں مرقوم ہے۔(۶۴)

تیسرا مضمون ''داستانِ پشاور'' سے متعلق ہے۔ داستان پشاور ایک شہر آشوب ہے جو کہ شہر کے پیشہ وروں وغیرہ کی مذمت میں لکھا گیا ہے۔ یہ نظم کسی مقامی شاعر کی یادگار ہے۔ شاعر کا

تخلص رنگین ہے۔ حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''رنگین کی نظموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو اور فارسی زبانوں میں شعر گوئی کرتا ہے اور تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی (متوفی ۱۲۰۵ھ) کے عہد میں موجود تھا۔''(۶۵)

چوتھا مضمون ''جنگ نامۂ موہن گڈھ'' کے عنوان سے ہے۔ قصبہ موہن گڈھ تحصیل بگڑی پرگنہ ٹونک میں واقع ہے۔ اس نظم کے ناظم محمد اسمٰعیل خاں ٹونکی ہیں۔ جو اسلام نگر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۰ء میں جنگ موہنی کا یہ سانحہ ہوا ہے اس وقت حیات تھے اور خود اس جنگ میں شریک تھے۔ انھوں نے اس جنگ کو سات زبانوں میں نظم کیا ہے۔ (۶۶)

پانچواں مضمون ''مخزن الغرائب وانیس العاشقین'' مؤلفہ احمد علی سندیلوی کے حوالے سے ہے۔ یہ مضمون ایک ادبی نوک جھوک کی دلچسپ داستان ہے۔ اس بحث کی ابتدا مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کے ایک مضمون ''تذکرہ مخزن الغرائب'' سے ہوئی جو مارچ ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا۔ اس کے بعد پریذیڈنسی کالج کلکتہ کے پروفیسر محفوظ الحق کا مضمون ''تذکرہ مخزن الغرائب پر ایک نظر'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مباحث کا تیسرا مضمون ''تذکرہ مخزن الغرائب وانیس العاشقین مؤلفہ احمد علی سندیلوی'' ہے جو ستمبر ۱۹۲۴ء میں ہمایوں میں شائع ہوا تھا۔ اس سلسلے کی آخری کڑی پروفیسر محفوظ الحق کا مضمون ''جواب الجواب'' ہے۔ اس کے بعد اس جلد میں ایک مضمون ''حد جواب'' کے عنوان سے ہے۔ حافظ محمود شیرانی کے کاغذات میں ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا مضمون پروفیسر محفوظ الحق کے مضمون ''جواب الجواب'' کے جواب میں ''حد جواب'' کے عنوان سے ہے، یہ مضمون مجلّہ ''تحقیق'' شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی کے چھٹے شمارے میں ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا اور یہ مضمون انھوں نے عبداللہ چغتائی کی طرف سے لکھا تھا۔ (۶۷)

حصہ دوم: شخصیات، یہ حصہ تین مقالوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ: مخدوم شیخ بہاؤ الدین برناوی، جو کہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں

اگست، نومبر ۱۹۲۷ء اور اگست ۱۹۲۹ء کے شماروں میں شائع ہوا۔

دوسرا مقالہ: ملا دو پیازہ اور جعفر زٹلی کی مروجہ سوانح عمریوں کا جائزہ اور تنقید

(۱) ملا دو پیازہ

(۲) جعفر زٹلی، اورینٹل کالج میگزین میں نومبر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔

تیسرا مقالہ: فیض عثمانی: صحرائے راجپوتانہ کا ایک گم نام فارسی شاعر کے عنوان سے ہے جو کہ روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا تھا۔

حصہ سوم: متفرقات، یہ حصہ ۹ مقالات پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ: گناہ (انشائیہ)،

دوسرا مقالہ: چند لمحے وکٹوریہ البرٹ میوزیم میں،

تیسرا مقالہ: پنجاب کے بعض غیر معروف اردو شاعر (قدیم اردو)،

چوتھا مقالہ: پنجاب میں اردو کی بعض قدیم تصنیفات

پانچواں مقالہ: اردو دبستان دہلی

چھٹا مقالہ: مسلمانوں میں ہندی موسیقی کا رواج

ساتواں مقالہ: عباس صفوی کا شکار

آٹھواں مقالہ: آلاتِ آتش بازی اور

نواں مقالہ: ولی کے سنِ وفات کی تحقیق کے عنوان سے ہے۔

حصہ چہارم: ''تنقید و تبصرہ'' کے عنوان سے ہے۔ یہ حصہ ۴۹ تحریروں پر مشتمل ہے۔ جس میں مختلف رسائل، کتب، مضامین، اداروں، شاعری، اور مختلف تبصروں پر تبصرہ اور تنقید کی گئی ہے۔ مولوی عبدالحق نے حافظ محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اردو'' پر ان کے نظریے کی تردید میں ایک مضمون لکھا تھا، جس کے جواب میں حافظ محمود شیرانی نے ایک مضمون ''پنجاب میں اردو (ایک تبصرے پر تبصرہ)'' لکھا جو حافظ محمود شیرانی نے اپنی زندگی میں کہیں شائع نہیں کرایا۔ یہ

مضمون مجلّہ ''فنون''لاہور میں ۸۱۔۱۹۸۰ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ یہ مضمون اس جلد میں حصہ چہارم میں شامل کیا گیا ہے۔

آخر میں ایک مضمون ''اردو شہ پارے'' (ایک نا تمام تبصرہ) کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے جو کہ شیرانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ ہے اور جس میں جگہ جگہ تصحیح کی گئی ہے۔ یہ مضمون محی الدین قادری زور کی تالیف ''اردو شہ پارے'' پر لکھا گیا تبصرہ ہے جو کہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور کے مئی ۱۹۳۰ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ زیرِ نظر مضمون، شائع شدہ تبصرے سے مختلف ہے۔

۱۷۔ مقالات حافظ محمود شیرانی (مرتبہ مظہر محمود شیرانی)، جلد دہم:

اس جلد کے شروع میں عرض مرتب کے عنوان سے مرتب نے اس جلد پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ جلد دو حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول: متفرق موضوعات کے عنوان سے ہے، جس میں اس میں چار مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون: حکیم عثمان مختاری غزنوی کے متعلق ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کا فارسی گو شاعر تھا یہ مضمون پرانی فارسی زبان کے انداز میں ہے۔ مضمون میں تحقیقی انداز میں مختلف روایات کے حوالے سے بحث بھی کی گئی ہے۔

دوسرا مضمون: خطاباتِ سلاطین غزنویہ ہے جس میں شیرانی نے غزنیہ کے سلاطین کے خطابات کے حوالے سے دو فہرستیں درج کی ہے جبکہ تیسرا مضمون: سرون کا گیت، اور چوتھے مضمون میں بعض نئے اوزان میں شاعری کے مختلف اوزان سے بحث کی گئی ہے۔

حصۂ دوم: منظومات کے حوالے سے ہے، اس حصے میں حافظ محمود شیرانی کی فارسی، اردو نظمیں اور غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ ان نظموں، غزلوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیرانی صاحب ابتدائی دور میں شعر گوئی سے خصوصی شغف رکھتے تھے، اور ان دنوں ان کی شاعری مختلف رسالوں میں شائع بھی ہوتی رہتی تھی۔ حافظ محمود شیرانی کی شاعری کے بعد مقالات حافظ محمود شیرانی جلد نہم کا اشاریہ دیا گیا ہے۔ مرتب نے گزشتہ تمام جلدوں میں اس بات کا خصوصی اہتمام کیا کہ تمام

جلدوں کے آخر میں مکمل اشاریہ بھی شامل کیا جائے تا کہ قارئین اور محققین کو استفادے میں کوئی دقت نہ ہو۔ جلد نہم میں چونکہ اشاریہ درج ہونے سے رہ گیا تھا لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مرتب نے نہم جلد کا اشاریہ بھی اس جلد میں شامل کر دیا ہے۔

اس جلد کے آخر میں حافظ محمود شیرانی کے انگریزی ۳ مضامین شامل کیے گئے ہیں۔

اس جلد کو بنیادی طور پر انگریزی مضامین کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ جس میں پہلا مضمون طلوع وعروج اسلام کے عنوان سے ہے۔ جس میں سب سے اہم ڈاکٹر ہنری سٹب کی کتاب ''طلوع وعروض اسلام مع سوانح پیغمبر اسلامؐ'' پر حافظ محمود شیرانی کا لکھا ہوا دیباچہ، تعارف اور ہنری سٹب کی سوانح، اس کے علاوہ اصل متن اور ساتھ ہی ایک اضافہ شدہ ضمیمہ شامل ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا تعلق پین اسلامک سوسائٹی، لندن کی سرگرمیوں سے تھا، جس کے سیکرٹری خود شیرانی صاحب تھے۔

حافظ محمود شیرانی نے یہ کتاب ۱۹۱۱ء میں تلاش کر کے لیوزک اینڈ کمپنی، لندن کی وساطت سے شائع کی تھی۔ یہ ان کا پہلا تحقیقی کام تھا۔ یہ کتاب بعد میں لاہور سے تین مرتبہ شائع ہوئی۔ اس کتاب کے حوالے سے مرتب مظہر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''یورپ میں صدیوں تک اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں مجہول کہانیاں اور مجہول روایات رائج رہیں۔ سترھویں صدی میں ہنری سٹب (۱۶۳۱ء۔۱۶۷۶ء) پہلا شخص ہے جس نے اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں اپنے ہم مذہبوں کی خرافات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حقیقت کا سراغ لگانے کی اپنی سی کوشش کی۔ اس نے اپنے محدود ذرائع سے جو نتائج اخذ کیے ان کو پوری دیانتداری سے اپنی اس تالیف میں شامل کر دیا۔''(۶۸)

انگلستان میں سٹب کی تحریروں نے نبی اکرمؐ کے بارے میں متعصّبانہ ذہنوں کا مقابلہ

کرنے میں اہم کردارادا کیا۔سٹب کی کتاب کا اصل متن بھی اس جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون: میرا مجموعۂ کتب، کتابوں کی وہ فہرست اور رپورٹ ہے جسے شیرانی نے پنجاب یونیورسٹی کو دیتے وقت ۱۹۴۰ء میں تیار کیا تھا تا کہ تمام کتابوں کے بارے میں ایک مفصل تعارف تیار ہو جائے۔اس رپورٹ کو مرحوم خورشید احمد خاں یوسفی نے جمیل احمد رضوی کی وساطت سے لائبریری کی پرانی فائلوں سے تلاش کر کے ترتیب دیا اور شیرانی کلیکشن کے عنوان سے ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی راجستھان، ٹونک کے توسط سے شائع کیا۔اس مضمون کے حواشی بھی خورشید احمد خاں نے رقم کیے ہیں۔(۶۹) شیرانی کا جو کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی کو ملا اس میں کل ۴۲۸۹ مخطوطات اور ۲۱۸۸ نایاب مطبوعات شامل تھیں۔۔شیرانی نے اپنی اس تعارفی رپورٹ میں صرف ۲۱۰۰خطی نسخوں سے سروکار رکھا تھا۔

تیسرا مضمون: گوجری ادبیات کی تلاش میں سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔۱۹۳۵ء میں شیرانی نے ایک رپورٹ کی صورت میں راجپوتانہ، گجرات (کاٹھیاواڑ) اور بمبئی کے سفر کی مختصر روداد پرنسپل کو پیش کرنے کے لیے لکھی تھی کہ انھیں ۱۶ ستمبر سے ۳۰ ستمبر تک رخصت عنایت کی جائے اور ساتھ ہی اخراجات کے لیے مبلغ دوصد روپیہ منظور کرنے کی درخواست بھی تھی۔اس سفر میں حافظ محمود شیرانی نے چند شہروں کے کتب خانوں کو بھی ملاحظہ کیا۔جس کی وجہ سے انھیں گوجری اردو سے تعلق رکھنے والے کچھ مخطوطات اور فرقۂ مہدویہ کی تصانیف پڑھنے کا موقع ملا۔

۱۸۔مکاتیب حافظ محمود شیرانی:

حافظ محمود شیرانی ان لوگوں میں سے تھے جو کہ باقاعدگی سے خط لکھتے، خط کا جواب لکھتے اور خط میں حالات وواقعات پر پوری تفصیل سے روشنی ڈالتے۔ان کے خطوط میکانکی، سپاٹ اور بے رس نہیں ہیں، ان کے خطوط میں جو اسلوب پایا جاتا ہے وہ روکھا پھیکا نہیں ہے بلکہ پڑھنے والے کے لیے دلچسپی کا سامان رکھتا ہے۔

ان کے مکاتیب میں سادگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے جو حافظ صاحب کی بے ریا

زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کے مکاتیب ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مکاتیب میں حالات وواقعات کو کچھ ایسے سادہ اسلوب اور شگفتگی کے انداز میں بیان کیا ہے کہ ان کے مکاتیب پر آپ بیتی کا گمان ہوتا ہے۔

مظہر محمود شیرانی نے حافظ محمود شیرانی کے مکاتیب کے مجموعے کو مرتب کرتے ہوئے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان دو حصوں کے درج ذیل نام رکھے ہیں:

۱۔ نسخہ ہائے وفا

۲۔ مجموعہ خیال

نسخہ ہائے وفا میں شامل مکاتیب انگلستان کے زمانۂ قیام کے ہیں اور مجموعہ خیال کے مکاتیب بعد کے زمانے میں لکھے گئے ہیں۔

پہلے حصے میں ۳۴ خطوط ان کے والد بزرگوار محمد اسماعیل خاں کے نام ہیں اور ۱۱ خطوط برادر کوچک محمد مسعود خاں کے نام ہیں۔

مجموعہ خیال میں معاصرین، احباب اور شاگردوں کے نام ہیں، جن میں سے

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے نام (۳) خطوط

ڈاکٹر محمد اقبال کے نام (۲) خطوط

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام (۲۳) خطوط

ڈاکٹر سید عبداللہ کے نام (۲) خطوط

اور ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے نام (۷) خطوط

قابل ذکر ہیں۔ (۷۰)

ان خطوط کو پڑھ کر حافظ محمود شیرانی کے شب وروز کے مشاغل، معمولات، قیام وطعام، اور زندگی کے مختلف گوشوں سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ ان خطوط سے ہمیں حافظ کے حالات سے آگاہی ہوتی ہے اور ان کی دوستوں، شناساؤں کے علاوہ ان کی تعلیم ودرسیات سے لے کر

تقریبات وتفریحات کے حوالے سے مصروفیات کے بارے میں معلومات بھی ملتی ہیں۔حافظ محمود شیرانی کہیں ناصح اور مشفق نظر آتے ہیں،کہیں محبت وخلوص کا پیکر،کہیں باپ کی بیماری اور علالت پر آزردہ،کہیں گھریلو حالات اور بھائیوں کی ناچاقی پر دل برداشتہ۔۔غرضیکہ ان خطوط میں ان کی زندگی کے شب وروز اپنے پورے رنگ ورعنائی کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں۔ان خطوط کے آئینے میں وہ ایک نیک سیرت انسان اور سعادت مند بیٹے کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

حافظ محمود شیرانی کے اپنی بیماری کے بارے میں ۵جنوری ۱۹۵۰ء کو اپنے والد بزرگوار کو لکھے گئے خط میں سے چند لائنیں ملاحظہ کیجیے:

> ''میں اس وقت مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں یہ عریضہ لکھ رہا ہوں اور مجھے یہ بھی خبر نہیں ہے کہ جب تک یہ عریضہ جناب کی خدمت میں پہنچے گا میں اِس دنیا میں ہوں گا یا اُس دنیا میں۔مجھے خبر نہیں تھی کہ میری موت مجھے انگلستان لے کر آئی تھی جہاں گھر والے تو درکنار دوست احباب کے ہاتھ سے کفن وقبر بھی نصیب نہیں ہوگا۔
>
> ابا جان میں اس دو ہفتے کی بیماری میں بہت رویا ہوں اور میں نے آپ سے غائبانہ معافی مانگی ہے،اپنے گناہوں کی۔میں نے آپ کا روپیہ ہمیشہ برباد کیا،انگلستان آکر اور بھی برباد کیا۔۔۔۔''

موجودہ مطالعے کے لحاظ سے سب سے اہم مکتوبات وہ ہیں جو حافظ محمود شیرانی نے لندن سے اپنے بزرگوار کے نام ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۶ء کے دوران لکھے۔بہ ظاہر تو یہ خطوط ہیں،مگر حقیقت میں یہ حافظ محمود شیرانی کا روزنامچہ ہے،جو بہ صورت مکتوب لکھ کر شیرانی صاحب تقریباً ہر ہفتے اپنے والد محترم کی خدمت میں ارسال کیا کرتے تھے۔گویا یہ لندن میں شیرانی صاحب کے روز وشب کی آپ بیتی ہوتی تھی۔(۱۷) یہ خطوط حافظ شیرانی کا اپنے خاندان کے لوگوں سے وطن میں رابطے کا ایک اہم ذریعہ تھے۔

حافظ محمود شیرانی نے اپنے والد بزرگوار کی رحلت (۱۹۰۶ء) پر جو خطوط اپنے بھائی محمد مسعود کے نام لکھے ہیں ان خطوط میں روزنامچے کی تفصیلات کی بجائے گھریلو اور خاندانی معاملات ومسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی کے نوجوانی کے خطوط کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے فلسفۂ اخلاق سے جڑے ہوئے تھے اور یہ فلسفہ اخلاق ان کی شخصیت کا حصہ تھا۔ان کے خطوط میں خاندانی اور ذاتی معاملات کے ساتھ ساتھ دیگر علمی مسائل کے حوالے سے ان کے نظریات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

''مجموعۂ خیال کے مکتوبات زیادہ تر علمی، تحقیقی مسائل سے متعلق ہیں۔''(۷۲)

حافظ محمود شیرانی کے وہ خطوط جو انھوں نے لندن سے اپنے والد بزرگوار کو لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر ان قیام لندن میں تعلیمی و دیگر تمام مصروفیات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ان خطوط میں انھوں نے نہ صرف اپنے ذاتی اور نجی حالات لکھے ہیں بلکہ ان میں انھوں نے اپنے دوست، احباب اور مختلف تقریبات میں شرکت اور ان کا احوال بھی درج کر دیا ہے۔جس کی وجہ سے یہ خطوط ان کی خودنوشت کی صورت اختیار کر گئے ہیں ان خطوط سے ہم ان کے حالات سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> ''والد بزرگوار کے نام محمود شیرانی کے یہ خطوط لندن میں ان کے قیام وطعام، تعلیم وتعلم سے لے کر دیگر مشاغل حیات ،مجالس احباب وتقریبات و تفریحات کے بارے میں روزنامچے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ،حتیٰ کہ درسیات کے سلسلے میں بعض اوقات ،وہ قانون کے پورے کے پورے لیکچر بھی ان میں دہرا دیتے ہیں ۔معلومات سے پُر اس روزنامچے میں شیرانی اپنے والد کی عزت واحترام کرتے اور ادب وآداب جس طرح بجالاتے ہیں وہ ان کی سیرت اور سعادت مندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔''(۷۳)

حافظ محمود شیرانی کے خطوط کے ۲۴ مکتوب الیہم ہیں۔ان خطوط میں سے ۴۸ خط لندن سے طالب علمی کے دور میں لکھے گئے ۔شیرانی نے ۳۴ خطوط لندن سے اپنے والد محترم کو لکھے۔ایک خط بڑے بھائی محمد ابراہیم خاں کو، گیارہ اپنے چھوٹے بھائی محمد مسعود خاں کو اور ایک خط ٹونک کے سید حسن مجتبیٰ کے نام لکھا ہے۔خلیق انجم لکھتے ہیں:

''مکاتیب حافظ محمود شیرانی کے تمام خطوط کسی نہ کسی وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ابتدائی ۴۸ خطوط ان کے سوانح نگار کے لیے بہت اہم ہیں۔ باقی خطوط میں بیشتر ایسے ہیں جن میں علمی معاملات پر گفتگو کی گئی ہے ان خطوط کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تحقیقی اور لسانی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہیں اور ہر محقق کے لیے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔''(۷۴)

انھوں نے انگلستان جانے کے بعد خطوط کے ذریعے ایک ایک بات سے اپنے والد بزرگوار کو مطلع کرتے رہتے تھے۔یہ خطوط باپ اور بیٹے کے درمیان ہونے والے مکالمے کے ذریعے ان کے نجی اور گھریلو حالات سے واقفیت کا ایک مستند اور معتبر ذریعہ ہیں۔۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء کو اپنے والد بزرگوار کو لکھتے ہیں:

''قبلہ گاہی مدظلہ العالی!

میں آپ کی مشکلات پر جب نظر کرتا ہوں تو مجھ کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زندگی کیسی کٹھن زندگی ہے۔اولاد نالائق سات میں سے ایک بھی لائق نہیں۔مودود اور مقصود فرار ہیں۔اور بوانصف بیمار ہیں اُدھر آپ خود مرض کا شکار ہیں۔اپنا غم، گھر کا غم، اولاد کا غم کوئی مار موجب تسلی نہیں۔ادھر ضعف اور انحطاط کا زمانہ ہے خدا جانے کس قدر تلخیوں سے آپ کو مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ہم لوگ ناآزمودہ کار ہیں آپ کے جذبات کو محسوس نہیں کرتے۔۔۔''(۷۵)

ابتدائی خطوط کی اہمیت یہ ہے کہ ان سے حافظ محمود شیرانی کے قیام لندن کے حالات وواقعات پر روشنی پڑتی ہے۔اس کے علاوہ ان خطوط میں حصول تعلیم کے لیے لندن جانے والے طلبہ کے رہن سہن اور لندن کی سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا پتہ چلتا ہے۔[۷۶] ان خطوط سے ان کی روزمرہ زندگی، خوشی، غم اور تکلیف کا بھی پتہ چلتا ہے۔۳ جنوری ۱۹۰۸ء کو جو خط حافظ محمود شیرانی نے اپنے بھائی مسعود خاں کو لکھا، اس میں سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''جب میں ہندوستان میں تھا تو تم اس قدر فیاض بن گئے کہ میرے اخراجات کا بوجھ خواہ مخواہ اپنے سر لے لیا اور اس کے بعد جس طرح تم نے اپنا وعدہ نبھایا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے۔تم پر جو بلائیں آئیں وہ تمھارے نامہربان بھائیوں کے طفیل لیکن میری مصیبتیں میرے مہربان بھائیوں کی وجہ سے ہیں۔بہر حال میری وہی کیفیت ہے، مردہ بدست زندہ۔ جب تمھارا جی چاہے مجھ کو خرچ بھیج دو اور پھر لطف یہ کہ احسان کا احسان، شکایت کی شکایت۔۔۔''

یہ خطوط کئی لحاظ سے اہم ہیں۔ان سے شیرانی صاحب کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور پھر یہ سب کچھ ایک ہندوستانی کے نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے۔[۷۷] ان خطوط میں ان کی تحریر پختہ اور خیالات ونظریات واضح ہیں۔وہ ایک سمجھدار، باشعور، دردمند دل رکھنے والے انسان اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے طور نظر آتے ہیں اور ان خطوط میں ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

''گویا یہ تحریر ان کی نوجوانی کے زمانے کی ہے، مگر زمانے کے گرم وسرد نے انھیں اتنا بالغ نظر بنادیا تھا اور قرآنی تعلیمات نے اس میں اتنی پختگی پیدا کردی تھی کہ یہ خیالات عملی طور پر ان کی زندگی کا حصہ بنے رہے۔''[۷۸]

حافظ محمود شیرانی کے یہ خطوط ان کی اپنے والدین سے محبت، بھائیوں اور خاندان سے

لگاؤ اور علم وادب، تحقیق وتدوین سے ان کی دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔حافظ محمود شیرانی کے وہ خطوط جو انھوں نے انگلستان سے لکھے ہیں زیادہ تر ذاتی اور خاندانی حالات وواقعات کے بارے میں ہیں جبکہ کچھ خطوط موضوعاتی حوالے سے علمی اور تحقیقی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔

تالیفات

۱۔ :Rise & Progress of Mahometanism

حافظ محمود شیرانی نے سب سے پہلے ڈاکٹر ہنری سٹب (Dr. Henry Stubbe) (۱۶۳۱ء۔۱۶۷۶ء) کی کتاب An account of the Rise & Progress of "Mahometanism with the life of Mahomet احوال طلوع وعروج اسلام مع حیاتِ اسلام رسول اکرمؐ (۱۹۱۱ء) گمنامی کے پردوں سے نکال کر مرتب کی۔اس کتاب کو انھوں نے ۱۹۱۱ء میں لیوزک اینڈ کمپنی ،لندن کی وساطت سے شائع کیا تھا۔حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب کے حوالے سے اسلامی تاریخ پر اپنی تحقیق کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی ہے اور یہ بحث ایک ضمیمے کے طور پر کتاب میں شامل کردی ہے۔مذہب اسلام سے متعلق عیسائی علماء نے جو کتابیں تحریر کی ہیں ان میں یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔حافظ محمود شیرانی کا یہ واحد کام ہے جو انگریزی زبان میں ہے۔ہنری سٹب کی عادلانہ تحریروں نے انگلستان میں پیغمبر اسلام کے بارے میں پائے جانے والی رائے کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اسی لیے حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب کو مرتب کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

۲۔مجموعہ نغز:

''مجموعہ نغز''یعنی تذکرہ شعرائے اردو حکیم ابوالقاسم قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم کی تحریر کردہ ہے۔جو کہ ۱۹۳۳ء میں سلسلہ نشریات کلیہ پنجاب کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔دیباچہ میں حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''جس مخطوطہ پر مطبوعہ متن مبنی ہے وہ مجموعہ کتب مولینا محمد حسین آزاد سے

تعلق رکھتا ہے جواب پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ کی ملکیت ہے۔متعدد
مقامات پر مولینا آزاد نے اس پر مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔''(۷۹)

دیباچے کے بعد حافظ محمود شیرانی نے مصنف کے حالات کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔حکیم ابوالقاسم کا یہ تذکرہ مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور تالیف 'آب حیات' کا ایک اہم ماخذ ہے۔بقول حافظ محمود شیرانی:

''یہ تالیف چھ سو ترانوے ریختہ نگاروں کے حالات اور آٹھ سو صفحات پر
مشتمل ہے ۔۱۲۲۱ھ اس کی تاریخ اختتام ہے۔اگرچہ اس تاریخ سے
بہت عرصہ پہلے اس کی داغ بیل پڑ چکی ہے۔''(۸۰)

سید مسعود حسن رضوی اپنے مضمون ''آب حیات کا تنقیدی مطالعہ'' میں آب حیات کے ماخذ کا حوالہ دیتے ہوئے تذکرہ قاسم مجموعہ نغز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''آپ نے دیکھا کہ ایک تذکرہ قاسم کے تذکرے مجموعہ نغز کے منظر عام
پر آجانے سے آزاد کے کتنے بیانوں کی تصدیق ہوگئی۔'آب حیات' میں
اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو اسی تذکرے سے لی گئی ہیں۔''(۸۱)

''مجموعۂ نغز'' قدر و اہمیت کے حوالے سے دوسروں تذکروں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔اس تذکرے میں بہت سے ایسے شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے حافظ محمود شیرانی ذاتی طور پر خود بھی واقفیت رکھتے تھے۔جہاں تک ممکن ہوسکا اس تذکرے میں حافظ محمود شیرانی نے شعرا کے وہ تمام حالات وواقعات درج کر دیے ہیں جو کہ انھیں معلوم تھے۔تذکرے کے حوالے سے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''اس ضمن میں بعض پر لطف لطیفے اور حکایتیں بھی آگئی ہیں جو اس زمانے
کی معاشرت، شعر گوئی، مشاعروں اور حالات پر روشنی ڈالتی ہیں۔''(۸۲)

''مجموعہ نغز'' کا ایک نسخہ مولانا محمد حسین آزاد کے ذخیرہ کتب مخزونہ پنجاب یونیورسٹی

لائبریری میں موجود ہے۔ حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق یہ نسخہ قدیم ترین ہے اور خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مجموعہ نغز کا ایک مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے دونوں قلمی نسخوں کے متن کی مدد سے اس تذکرے کو مرتب کیا تھا۔ (۸۳) اس تذکرے کے بارے میں حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''اساتذہ کے اسماء کے ساتھ مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر استاد کے تخلص کا ہم قافیہ جملہ اس کے نام سے پہلے لایا گیا ہے اور پھر یہ فقرہ گاہ گاہ بادنیٰ تغیر ہر جگہ اس نام کے ساتھ دوہرایا گیا ہے۔'' (۸۴)

تذکرہ ۴۱۲ صفحہ پہ ختم ہوتا ہے۔ آخر میں فہرست اسماء اشخاص، اور فہرست کتب و مقامات ودیگر امور دی گئی ہے۔ اس تذکرے کی ترتیب وتدوین میں جو محنت حافظ محمود شیرانی نے کی ہے اس کو سراہتے ہوئے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> ''یہ تذکرہ پروفیسر محمود شیرانی نے بڑی احتیاط واہتمام اور محنت وصحت سے مرتب کیا ہے۔ جس پر فاضل مرتب اور ان کے طفیل میں پنجاب یونیورسٹی قابل مبارکباد ہیں۔۔۔ فاضل مرتب نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ تذکرہ مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور تالیف آب حیات کا ایک اہم ماخذ ہے اور اس لیے اس زمانے میں جو بعض غلطیاں یا غلط بیانیاں آزاد مرحوم سے منسوب کی گئی ہیں دراصل اس کا ملزم قاسم ہے۔'' (۸۵)

حافظ محمود شیرانی نے علاوہ دیباچے کے جس میں قلمی نسخوں کی کیفیت، مؤلف کے حالات، تذکرے کی تنقید وغیرہ ہے۔ دیباچے کے شروع میں ایسے الفاظ کی فہرست بھی دے دی ہے جو مؤلف کے زمانے میں مختلف طریقے پر لکھے جاتے تھے۔ غرض کہ قابل مرتب کی محنت وکاوش اور حسنِ ترتیب ہر لحاظ سے قابلِ داد ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس تذکرے کی اشاعت سے اردو زبان کی تحقیق وتاریخ میں جس کا شوق اس زمانے میں پیدا ہو چلا ہے بیش بہا مدد ملے گی۔ (۸۶)

کتاب کے آخر میں دو فہرستیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ ایک اسمائے اشخاص کی اور دوسری کتب و مقامات و دیگر امور کی، اسی کے ساتھ علیحدہ سے ان اغلاط کی بھی تصحیح کر دی ہے جو مؤلف تذکرہ سے اتفاقیہ سرزد ہو گئی ہیں۔

پروفیسر محمود شیرانی نے دوسرے تذکرہ نگاروں کی پیروی سے ہٹ کر بدلے ہوئے تہذیبی و تاریخی حالات کی طرف توجہ دی ہے اور اپنے مقدمے میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ مثلاً پروفیسر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''تذکرہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اگرچہ مشغلہ شعر کے خلاف تھا اور سیاست کے مطلع پر فتنہ و آشوب کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور احمد شاہ ابدالی کی آمد اور بعد کے سیاسی واقعات نے مغلیہ سلطنت کے شیرازہ کو درہم برہم کر دیا ہے۔ دہلی ویران ہو رہی ہے اور اس کے فرزند تلاش معاش میں دربدر اور خاک بسر پریشان حال پھرتے ہیں۔ لیکن راجا سے پرجا تک جس کو دیکھو شوقِ شعر میں ڈوبا ہوا ہے۔''(۸۷)

اس تذکرے کی وقعت اور اہمیت کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب ہم آب حیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مولانا نے اگرچہ اس تذکرے سے استفادے کا اظہار نہیں کیا مگر یہ حقیقت ہے کہ مولانا آزاد نے اس تذکرے سے فیض اٹھایا ہے۔

۳۔ سرمایہ اردو:

یہ کتاب میٹریکولیشن کے طالب علموں کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ اس کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوئے جو کہ اس کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ میٹرک کے اردو نصاب کے حوالے سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے جو کہ بیس برس تک میٹرک کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے صدیق جاوید پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ''سرمایۂ اردو سے پتہ چلتا ہے حافظ محمود شیرانی نے کوشش کی ہے کہ

میٹریکولیشن کے طالب علموں کی توجہ، تخیل اور حافظہ کی تربیت کی جائے ان کی مرتبہ کتاب کے اسباق سے طالب علموں کی جمالیاتی اور اخلاقی تہذیب ہو، ان کے اندر نیشنلزم کا جذبہ ابھارا جائے۔ان میں زباندانی کا مادہ پیدا کیا جائے۔اس کتاب کی تدریس سے ان کی ٹھوس قابلیت بڑھے اور آج کل کی طرح ان کی تعلیم رسمی نہ رہ جائے۔''(۸۸)

اس کتاب میں حصہ نثر میں باغ و بہار از میر امن دہلوی، نیرنگ خیال از مولانا محمد حسین آزاد، مقدمہ شعر و شاعری از مولانا الطاف حسین حالی، یادگار غالب از مولانا الطاف حسین حالی، خیالستان از سید سجاد حیدر بی اے، فسانۂ مبتلا از ڈپٹی نذیر احمد، مضامین فرحت از مرزا فرحت اللہ بیگ، سیاحت نامہ یورپ از سر شیخ عبدالقادر، فسانۂ آزاد از پنڈت رتن ناتھ سرشار، توبۃ النصوح، ابن الوقت از ڈپٹی نذیر احمد، حکمت عملی از پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی، دربار اکبری از مولانا محمد حسین آزاد، تلمیحات از مولانا وحیدالدین سلیم، گزشتہ لکھنو از مولانا عبدالحلیم شرر، طوفان اشک از علامہ راشد الخیری، تنقیدات از مولانا عبدالحق، سی پارۂ دل از حضرت خواجہ حسن نظامی، مشاہدات سائنس از سید محمد عمر حسنی سے اقتباسات اور مضامین لیے گئے ہیں۔

یہ مضامین حافظ محمود شیرانی نے ادبی اور تدریسی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کتاب میں شامل کیے۔یہ مضامین اپنی اہمیت اور موضوعات کے حوالے سے گرانقدر اہمیت کے حامل ہیں۔

حصہ نظم میں سودا، میر تقی میر، انشا، نظیر اکبر آبادی، مرزا غالب، میر انیس، محسن کاکوروی، نسیم دہلوی، مولانا حالی، اکبر الہ آبادی، مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی، ڈاکٹر سر محمد اقبال، اسمٰعیل میرٹھی، پنڈت برج نرائن چکبست، جوش ملیح آبادی، اختر شیرانی، خواجہ دل محمد ایم اے، حفیظ جالندھری کی شاعری شامل کی گئی ہے۔اس انتخابِ شعر و نثر کے حوالے سے صدیق جاوید لکھتے ہیں:

''سرمایۂ اردو کے لیے شیرانی صاحب نے جو ادب پارے اور شعری

نمونے منتخب کیے ہیں ان میں سے بیشتر کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ہمارے علمی
کلچر،ادبی مزاج اور تہذیبی شعور کے خون میں شامل ہے۔"(۸۹)

اس کتاب کے آخر میں تذکرۂ مصنفین کے عنوان سے نثر نگاروں میں میر امن دہلوی،مولانا محمد حسین آزاد،مولانا الطاف حسین حالی،سید سجاد حیدر،مولانا نذیر احمد دہلوی،مرزا فرحت بیگ دہلوی،سر شیخ عبدالقادر،پنڈت رتن ناتھ سرشار،پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی، مولانا وحیدالدین سلیم،راشدالخیری،مولوی عبدالحق،خواجہ حسن نظامی،سید عمر حسنی اور نظم نگاروں میں رفیع سودا،میر تقی،انشاءاللہ خاں انشا،میرزا عظیم بیگ،نظیراکبرآبادی،مرزا غالب،میر انیس، مولوی محمد محسن محسنؔ،مرزا اصغر علی خاں نسیم،اکبرالہ آبادی،ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال،مولوی اسمٰعیل میرٹھی،پنڈت برج نرائن چکبست،جوش ملیح آبادی،منشی تلوک چند محروم اور حفیظ جالندھری کا مختصر تعارف دیا گیا ہے اور تعارف کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ان کے کلام کے بارے میں کچھ تنقیدی وتعارفی جملے بھی لکھے گئے ہیں۔مثال کے طور پر غالب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مرزا غالب اردو شاعری میں نئی طرز کے موجد خیال کیے جاتے ہیں۔
ان کا تخیل بلند اور مضامین عالی ہیں۔فلسفہ ان کے کلام کا بڑا اجزو ہے اور
جدتِ ادا اس کا خاص جوہر ہے۔"(۹۰)

تذکرہ مصنفین میں حافظ محمود شیرانی نے نثر نگاروں اور شاعروں کا تعارف دیتے ہوئے ان کی پیدائش،وطن،ملازمت،تصانیف اور ان کے فن پر اس انداز میں بات کی ہے کہ مذکورہ شخص کا کام اور اس کی شخصیت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

حافظ محمود شیرانی کی مرتب کردہ کتاب "سرمایۂ اردو" کو میٹریکولیشن کے طلبہ وطالبات کے لیے اردو کے حوالے سے ایک اہم درسی کتاب ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر آج بھی اس کتاب کو تدریسی اور ادبی حوالے سے تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔

دیوان غالب ۔نسخۂ شیرانی:

یہ دیوان غالب کا مخطوطہ ہے جو کہ غالب کے اپنے ہاتھ سے اصلاح شدہ ہے جو کہ حافظ محمود شیرانی کے ہاتھ لگ گیا اور یہ شیرانی کے ذخیرۂ کتب میں شامل تھا جو کہ شیرانی نے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا تھا۔

غالب کی صد سالہ برسی پر دیوان غالب کے دو نسخے: نسخہ حمیدیہ اور نسخۂ شیرانی مستند سمجھے جاتے تھے۔ نسخۂ حمیدیہ بھوپال کی حمیدیہ لائبریری سے غائب ہو چکا ہے۔ اس کے مندرجات نسخۂ حمیدیہ مرتبہ مفتی انوارالحق اور دیوان غالب مرتبہ مولانا عرشی سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں نسخہ شیرانی کی تسوید عمل آئی۔۔۔نسخہ بھوپال کے حاشیوں اور بین السطور میں جو ترمیمیں اصلاحیں اور اضافے ہیں نسخۂ شیرانی کا متن اس کے مطابق ہے نیز غالب نے سفر کلکتہ کے آغاز میں دو غزلیں جو باندے سے کہہ کر بھیجی تھیں وہ بھی اس کے حاشیے میں درج ہیں۔ (۹۱)

مجلس ترقی ادب لاہور نے نسخہ شیرانی کا عکس شائع کیا ہے، جس کی وجہ سے اصل مخطوطہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ نسخہ شیرانی کے بارے میں سب سے پہلے مولانا عرشی اور قاضی عبدالودود نے لکھا اور معلومات فراہم کیں۔ (۹۲) نسخہ شیرانی میں حمیدیہ اصل سے زاید غزلیات ہیں۔ قدرت نقوی لکھتے ہیں:

> ''نسخۂ شیرانی کی اہمیت کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں کہ اس نسخے سے نسخۂ حمیدیہ اور نسخہ غالب کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ گل رعنا اور متداول دیوان جس نسخے سے مرتب کیے گئے ہیں وہ شیرانی کا مثیل یا مسودہ تھا۔ معلومہ حد تک غیر متداول متن کی روایت اسی نسخے پر ختم ہو جاتی ہے اور متن کی آخری شکل اسی میں محفوظ ہے۔'' (۹۳)

حافظ محمود شیرانی نے مخطوطات اور مسکوکات کا ایک نادر ذخیرہ اکٹھا کیا ہوا تھا۔ نسخہ شیرانی بھی اسی ذخیرے میں شامل ایک مخطوطہ ہے جو کہ تاریخی حیثیت اور قدر و منزلت کا حامل ہے۔

نمونۂ کلام (۹۴) حافظ محمود شیرانی

نخلستان

(از ماہنامہ ''مخزن''۔ جنوری ۱۹۰۵ء)

صحرائے لق و دق میں ہے اک درختِ خرما
فرش زمیں پہ جس نے ڈالا ہے اپنا سایا
جو میزباں رہا ہے اکثر مسافروں کا
بیٹھا ہے اس کے نیچے اک مرد اجنبی سا
جو اپنا لحن دلکش جنگل کو ہے سناتا
اے قافلوں کے مسکن ، اے کارواں کے ملجا
بھولے ہوؤں کے مونس ، بھٹکے ہوؤں کے ماوا
کھوئے ہوئے مسافروں نے آرام تجھ سے پایا
سنتا رہا ہے تیری تعریف کا ترانا
عدنانیوں کے منہ سے ہر عہد میں زمانہ
ارض عرب پہ تیرے احسان ہیں سراسر
دل کش کیے ہیں تونے بیت الحرم کے منظر
یثرب کے باغ و صحرا آباد تجھ سے اکثر
بصرے کو شان تجھ سے کوفے کو ناز تجھ پر
سرسبز تجھ سے دائم ہے سر زمین بطحا
تعریفی گیت تیرے گایا کئے پرندے

سورج نے بھی سنے ہیں یہ راگ چھپتے چھپتے
یا اس نے سر نکالا مشرق میں جب افق سے
اس نے سنا ہے اکثر چڑیوں کو یوں چہکتے
اے وہ جسے نہیں ہے غم موسمِ خزاں کا
گر آسماں کے نیچے تو شاندار ، تنہا
عظمت دکھاتے اپنی ایسے کھڑا نہ ہوتا
سنسان کیسے ہوتے وادی و کوہ و صحرا
پھر کون قافلوں کا مہماں نواز ہوتا
گویا کہ تو سبب ہے جنگل کی آبرو کا
ہے دل میں آرزو یہ پوجوں میں تیری مورت
شاخوں نے تیری ہم کو دکھلا کے اپنی صورت
سکھلائی مسجدوں میں محراب کی ضرورت
ہے پتّہ پتّہ تیرا تیغ دودم کی صورت
تاج زمردیں سے ہے سبز نور پیدا
پیغام دے رہا ہے تیرا ہر ایک پتّہ
اس تازہ میہماں کو جس کو کہ شوق کعبہ
پہنچا گیا ہے تجھ تک اور موت کا فرشتہ
کہتا ہے اس سے آکر ، اب قصد کے کدھر کا
چلیے ہمیں بلایا اس نے کہ جو ہے یکتا
وہ ہے خطاب کرتا اس نعش بے کفن سے

ہے ہے ! اس آرزو میں نکلا تھا تو وطن سے
اس شوق میں ہے گزرا تو دشت سے چمن سے
تو نے نہ چھوڑی یہ دھن گو نکلی جان تن سے
بے شک لباس کعبہ ماتم ترا کرے گا
نیچے ترے کھڑا ہے اک سرخ رنگ خیمہ
اک بے نقاب چہرہ ہے جس میں جلوہ فرما
تو اس سے چپکے چپکے یوں کہہ رہا ہے گویا
اے قابل پرستش دوشیزہ تو نکل آ
تجھ کو یہاں نہیں ہے نا محرموں کا کھٹکا
وہ مقبرے پہ گنبد جو ہے دکھائی دیتا
خلوت کدہ ہے جو اک مہمان دائمی کا
صدیوں سے قبر میں جو پھیلا کے پاؤں سویا
ڈالا ہے بعد مردن تو نے بھی اس پہ سایہ
پھولوں کا ہار لا کر شام و سحر چڑھایا
اے خوش نما پکھیرو! اے دل ربا پرندو!
اک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب تم دو
سنسان جنگلوں میں تم کیوں چہک رہے ہو؟
آئے گا کون سننے اس لحن دل ربا کو؟
شاید تمھارے نغمے سنتا ہے نخل خرما!

☆☆☆

ایک دوست کی وفات پر

(از ماہنامہ ''خیالستان'' لاہور، اپریل ۱۹۳۰ء)

ضیائے چشم مشتاقاں ہمارا روئے روشن تھا
کبھی ہم پر بھی مرتے تھے، کبھی ہم پر بھی جوبن تھا
کبھی مانندِ گل ، باغ جہاں میں ہم بھی ہنستے تھے
ہمیں بھی صورتِ بلبل کبھی سودائے گلشن تھا
پری رویوں کی محفل میں بسر اوقات کرتے تھے
پری زادوں کی صحبت تھی ، پری خانے میں مسکن تھا
ہوا بے ہوش وہ جس نے ہماری دیکھ لی صورت
ہمارا گھر بھی گویا غیرت وادیٔ ایمن تھا
بہت آتے تھے غش ہم کو بھی فریاد عنادل سے
دل نازک پہ اپنے بار ، ان کا شور و شیون تھا
کسی کا ساعدِ سیمیں ہمارا بالشِ سر تھا
کسی کا دستِ بلوّریں ہمارے زیبِ گردن تھا
یہ باتیں خواب کی تھیں زندگانی نام ہے جس کا
کہ پھر آرام گاہِ جاودانی کنجِ مدفن تھا
نہالِ نوجوانی میں ابھی پھوٹی نہ تھی کونپل
بہارِ زندگی میں کھیلتا اب تک لڑکپن تھا

ہوا تھا چودھواں آخر ، پندرھواں سال آیا تھا

کہ سر پر اب ، زمانِ ہجر جان وفرقتِ تن تھا

ستارے جھلملاتے تھے ، ابھی کچھ رات باقی تھی

کہ اپنا عیش گاہِ دہر سے آہنگِ رفتن تھا

عزیز وخویش تھے موجود ، سارے ہم کو روتے تھے

کسی کی آنکھ میں آنسو کسی کے لب پہ شیون تھا

عدم آباد وہ ، گورِ غریباں جس کو کہتے ہیں

اسی وحشت سرا میں اپنی منزل تھی نشیمن تھا

جب آنکھیں کھول کر دیکھا،تو دیکھا ہم نے شیرانی

غبارِ دشت ، چشمِ نازنیں پر ، سینکڑوں من تھا

صنوبر کے کھڑے تھے کچھ شجر ، عبرت برستی تھی

ہماری قبر پر مہتاب ، تنہا لمعہ افگن تھا

☆☆☆

غزل

(از ماہنامہ ''مخزن'' ۔ اپریل ۱۹۲۰ء)

مرے تن کو کیا احتیاج کفن ہے
یہ مٹی کا پتلا ہے مٹی وطن ہے

ہوئے منکشف جب سے اسرارِ ہستی
نگاہوں میں کچھ اور ، چرخِ کہن ہے

برابر ہیں عیش و مصائب جہاں کے
نہ یہ راہبر ہے نہ وہ راہزن ہے

امیدوں میں محرومیاں جلوہ گر ہیں
نہاں نور میں ابر سایہ فگن ہے

تبسم کی موجوں میں ہے اشک پنہاں
کفن ہے عروسی کا جو پیرہن ہے

بہار و خزاں نے سنوارا ، اجاڑا
حقیقی نہ یہ رنگ ، رنگِ چمن ہے

نہ غم غم ہے یاں اور نہ یاں پہ شادی
عزیزوں کا لیکن فقط حسن ظن ہے

سفر جس کو سمجھے تھے ہم وہ وطن ہے
فنا دیس ہے اور پردیس تن ہے

☆☆☆

غزل

(از ماہنامہ ''رومان'' لاہور۔اپریل ۱۹۳۷ء)

دل سیر ہو گیا ہے بے مہریٔ بتاں سے
تنگ آئے ہیں گلوں سے جاتے ہیں گلستاں سے

کس کی کریں شکایت ، تقدیر آسمانی!
چھوٹے اگر قفس سے ، پالا پڑا خزاں سے

روؤ گے یاد کرکے ، پچھتاؤ گے کیے پر!
ناحق خفا ہوئے ہو دو دن کے میہماں سے

ناصح نے جو کہا ہے یہ ان کا حسنِ ظن ہے
ہم اور بگاڑ لیتے اک دوست مہرباں سے

دنیا ہے دارِ فانی ، اہلِ درم سے کہہ دو
کیالائے تھے یہاں تم، لے جاؤ گے جو یاں سے؟

اے رہروانِ عالم! بہر خدا بتا دو؟
جاتے ہو تم کدھر کو آئے ہو تم کہاں سے؟

کیوں ناز ہے بتوں کو اس فتنہ زا روش پر؟
سیکھیں ستم کی چالیں کچھ دن وہ آسماں سے!

کیوں فخر ہے گلوں کو دو روزہ زندگی پر؟
غافل ہوئے ہیں ناداں کیوں موسمِ خزاں سے؟

ذوقِ سخن نہیں ہے یارانِ بے خبر میں
ہم لیں گے داد جا کر حالی سے خوش بیاں سے

(۱۹۰۴ء)

☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔ فنون جلد ۱،شمارہ ۱،۲،مئی جون ۱۹۶۵ء،ص ۱۷۴

۲۔ یہ فہرست بناتے وقت ، کتابیات حافظ محمود شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی ،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۱ء سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۔ گوہر نوشاہی' ڈاکٹر ،حواشی ، جائزہ زبان اردو (پنجاب)،مرتبہ خواجہ عبدالوحید، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۵ء،ص ۲۱۵

۴۔ گیان چند جین' ڈاکٹر :محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات مشمولہ ارمغان شیرانی ،مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ، زاہد منیر عامر، لاہور، پنجاب یونیورسٹی ،۲۰۰۲ء،ص ۲۴

۵۔ گوہر نوشاہی' ڈاکٹر ،حواشی ، جائزہ زبان اردو (پنجاب) ،ص ۲۱۴،۲۱۵

۶۔ محمد ظفر خان ، پنجابی اور اردو کے لسانی روابط قسط اول مشمولہ 'صحیفہ' لاہور، جنوری مارچ ۱۹۸۶ء،ص ۵۸

۷۔ شیرانی' حافظ محمود ، پنجاب میں اردو ،نئی دہلی ،قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان ،۱۹۸۲ء،ص ۶۷۔۷۵

۸۔ ایضاً ص ۷۹

۹۔ گیان چند جین' ڈاکٹر :محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات ،ص ۲۵

۱۰۔ شیرانی' حافظ محمود ، پنجاب میں اردو کی بعض قدیم تصنیفات مشمولہ ، پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی مرتبہ محمد اکرام چغتائی ، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز ،۲۰۰۵ء،ص ۳۵۴

۱۱۔ عبدالغنی' ڈاکٹر ،مقدمۂ انتخاب شاہ مراد مشمولہ، پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی مرتبہ محمد اکرام چغتائی ،ص ۱۷۴

۱۲۔ پنجاب میں اردو (اردو کی کہانی شیرانی کی زبانی)،مشمولہ پنجاب تحقیق کی روشنی میں ، تالیف ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز ،۱۹۹۱ء،ص ۲۳

۱۳۔ فضل حق' قاضی ، پنجاب میں اردو مشمولہ ، پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی مرتبہ محمد اکرام چغتائی ،ص ۳۶۸

۱۴۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ،جلد ۶ ، مدیر خصوصی ڈاکٹر وحید قریشی ، لاہور پنجاب یونیورسٹی ،ص ۲۷

۱۵۔ محمد اشرف کمال ، اردو زبان : ہند آریائی سے ہند یورپی تک ، ماہنامہ 'اخبار اردو'، اسلام آباد، مارچ اپریل ۲۰۰۴ء،ص ۱۳۲،۱۳۳

۱۶۔ فضل حق' خانصاحب قاضی ، پنجابی علم وادب میں مسلمانوں کا حصہ مرتبہ بذلِ حق محمود، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز ،۲۰۰۴ء،ص ۱۵

۱۷۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱
۱۸۔ حبیب اللہ خان غضنفر، پروفیسر، زبان وادب، لاہور بک ٹاک، ۲۰۰۳ء، ص ۵۰
۱۹۔ ایضاً، ص ۴۷، ۴۸
۲۰۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر مقدمہ تاریخ زبان اردو، لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۶ء، ص ۵۱
۲۱۔ پیش لفظ از مسعود حسین خان، ڈاکٹر مقدمہ تاریخ زبان اردو، ص ۳
۲۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، سرقہ توارد اور جعل سازی۔ تحقیق وتنقید میں، مشمولہ مخزن لاہور، شمارہ مسلسل، ۱۸، ۲۰۰۹ء، ص ۴۸
۲۳۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان زبان اردو، کراچی، کل پاکستان انجمن ترقی اردو۔ اردو بورڈ، ۱۹۶۰ء، ص ۱۸۹
۲۴۔ ایضاً ص ۱۳۹
۲۵۔ مظہر محمود شیرانی، حافظ محمود شیرانی کی علمی وادبی خدمات، جلد اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۵۹، ۱۵۲
۲۶۔ حرف آغاز از وحید قریشی، مشمولہ پنجاب میں اردو، مرتبہ وحید قریشی، لاہور، کتاب نما، ۱۹۷۲ء، ص ۷
۲۷۔ محمد باقر، ڈاکٹر، اردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء، ص ۲۵
۲۸۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب) مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ششم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء، ص ۶
۲۹۔ مظہر محمود شیرانی، حافظ محمود شیرانی کی علمی وادبی خدمات، جلد دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء، ص ۳۰۵
۳۰۔ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ششم، ص ۳۴۰
۳۱۔ خزائن الفتوح از حضرت امیر خسرو، بہ تصحیح وتنقید وتحشیہ محمد وحید مرزا، نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان، ایڈیشن دوم، ۱۹۷۶ء، ص (xi)
۳۲۔ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ششم، ص ۱۹۷
۳۳۔ ایضاً، ص ۱۸
۳۴۔ ایضاً، ص ۲۳
۳۵۔ ایضاً، ص ۳۷، ۳۸

۳۶۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، مشمولہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی، شمارہ ۱۰، ۱۱، ص ۴۸۴

۳۷۔ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ششم، ص ۱۰۰

۳۸۔ ایضاً ص ۱۲۹

۳۹۔ ایضاً ص ۱۳۲

۴۰۔ ایضاً ص ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴

۴۱۔ ایضاً ص ۲۶۵، ۲۶۶

۴۲۔ عابد علی عابد، سید، چند بڑے ادیب مشمولہ مجلّہ ''نقوش''، لاہور، لاہور نمبر، ص ۱۰۷۷

۴۳۔ ابوسعادت جلیل، موازنۂ شبلی و براؤن، مشمولہ ''صحیفہ''، مجلس ترقی ادب لاہور، جنوری مارچ ۱۹۸۶ء، ص ۱۶، ۱۷

۴۴۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، ص ۴۸۵

۴۵۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، اصول تحقیق و ترتیب، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۶ء، ص ۶۸

۴۶۔ خلیق انجم، متنی تنقید، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص ۴۷

۴۷۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص ۲۴

۴۸۔ گیان چند، محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات، ص ۳۲

۴۹۔ ہاشمی فرید آبادی، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۷ء طبع ثانی، ص ۲۷۷

۵۰۔ مقدمہ از سید عبداللہ مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۳

۵۱۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء ص ۲۷

۵۲۔ ایضاً، ص ۹۹

۵۳۔ محمد اسلم سروہی، ڈاکٹر، تحقیق میں بنیادی ماخذ کی اہمیت مشمولہ ماہنامہ 'ماہ نو' لاہور، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

۵۴۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد سوم، ص ۳۱۹

۵۵۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد چہارم، مرتب، ص ۳۱۰

۵۶۔ ایضاً، ص ۵۱

۵۷۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد پنجم، عرض مرتب

۵۸۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ششم، عرض مرتب، ص۲

۵۹۔ ایضاً، ص۱۹۹

۶۰۔ ایضاً، ص۶

۶۱۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ہفتم، ص۳،۴

۶۲۔ ایضاً، عرض مرتب، ص۱۳

۶۳۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، قرآن پاک کی ایک قدیم تفسیر، مشمولہ جلد نہم، ص۳۱

۶۴۔ ایضاً، ص۱۳۸

۶۵۔ خلیق انجم، متنی تنقید، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۷ء، ص۱۸۴

۶۶۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب)، مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد نہم، ص۱۴۲

۶۷۔ ایضاً، ص۱۵۵

۶۸۔ ایضاً، ص۱۸۴

۶۹۔ عرضِ مرتب از مظہر محمود شیرانی مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد دہم، ص۵

۷۰۔ ایضاً، ص۶

۷۱۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی مشمولہ ارمغان شیرانی، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، زاہد منیر عامر، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص۸۰

۷۲۔ ایضاً، ص۸۱

۷۳۔ ایضاً، ص۹۴

۷۴۔ ارمغان شیرانی، ص۸۵

۷۵۔ محمود شیرانی کا قیام لندن مشمولہ مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص۱۱۵

۷۶۔ فنون شمارہ ۴، جلد ۳، جنوری ۱۹۶۴ء، ص۳۲۱

۷۷۔ محمود شیرانی کا قیام لندن مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص۱۱۵

۷۸۔ ایضاً، ص۱۰۳

۷۹۔ غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،حافظ محمود شیرانی مشمولہ ارمغان شیرانی،مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،زاہد منیر عامر،لاہور،پنجاب یونیورسٹی،۲۰۰۲ء،ص۹۰

۸۰۔ مجموعہ نغز یعنی تذکرہ شعرائے اردو حکیم ابوالقاسم قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم،مرتبہ حافظ محمود شیرانی، لاہور،سلسلہ نشریات کلیہ پنجاب،۱۹۳۳ء،ص تج

۸۱۔ ایضاً، ص لو

۸۲۔ آب حیات کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ مرتبہ سید سجاد لاہور،س ن،ص۱۸۵،۱۸۶

۸۳۔ عبدالحق،چند تنقیدات عبدالحق،انجمن ترقی اردو(ہند)دہلی،۱۹۳۹ء،ص۸۰

۸۴۔ فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری،کراچی، انجمن ترقی اردو(پاکستان)،۱۹۹۸،ص۲۳۷

۸۵۔ مجموعہ نغز،ص لز

۸۶۔ عبدالحق،چند تنقیدات عبدالحق،ص۷۴،۷۶

۸۷۔ ایضاً، ص۸۰

۸۸۔ مجموعہ نغز،ص ے

۸۹۔ پیش لفظ از صدیق جاوید مشمولہ سرمایۂ اردو مرتبہ حافظ محمود شیرانی،لاہور،سنگ میل پبلیکیشنز،۲۰۰۴ء، ص۱۴

۹۰۔ ایضاً، ص۱۴

۹۱۔ حافظ محمود شیرانی،سرمایۂ اردو،لاہور سنگ میل پبلیکیشنز،۲۰۰۴ء،ص۳۳۹

۹۲۔ اصول تحقیق و ترتیب متن،ڈاکٹر تنویر احمد علوی،سنگت پبلشرز،لاہور،۲۰۰۳ء،ص۱۲۳

۹۳۔ قدرت نقوی،سید،نسخۂ شیرانی اور دوسرے مقالات،لاہور،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۸۸ء، ص۵،۶،۴۰۴

۹۴۔ ایضاً، ص۴۰۸

۹۴۔ حافظ محمود شیرانی کا یہ نمونہ کلام مقالات حافظ محمود شیرانی جلد دہم مرتبہ مظہر محمود شیرانی سے لیا گیا ہے۔

☆☆............☆☆

باب سوم

حافظ محمود شیرانی کی اردو کے لیے خدمات

بیسویں صدی کے آغاز میں ہمیں برصغیر میں چند ایسی شخصیات نظر آتی ہیں جنھیں علم وادب کے حوالے سے انقلاب آفریں، یگانہ روزگار اور اپنے دور کا نابغہ قرار دیا جاسکتا ہے ان شخصیات نے اپنی حکمت ودانش، علم وادب اور فکر وبصیرت سے اردو زبان وادب کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ایک منفرد مقام بنالیا۔ اردو زبان وادب کے حوالے سے ان شخصیات میں سرسید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا محمد حسین آزاد، علامہ محمد اقبال، اکبرالہ آبادی، حافظ محمود شیرانی، مولوی عبدالحق اور شیخ عبدالقادر کے نام بغیر کسی پس وپیش کے لیے جاسکتے ہیں۔ ان صاحبان علم وفنون نے اپنی محنت شاقہ اور فکر ودانش سے اردو زبان وادب کے دامن کو فکر ونظریات، شعروادب، تخلیق اور تحقیق وتنقید کے نئے نئے خزانوں سے معمور کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اردو زبان وادب اور اس کے شائقین ہمیشہ کے لیے اردو زبان وادب کے ان اکابرین کے نمایاں علمی کارناموں کے ممنون احسان رہیں گے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک کا دور مسلمانان برصغیر اور اردو زبان کے لیے ابتلا کا دور تھا، یہی وہ دور تھا جس میں نہ صرف مسلمانان برصغیر کی آزادی اور ان کی جان ومال اور فکر ونظریات کی بقا اور تحفظ کی ضرورت تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی ترویج وترقی اور اس کی بقا کے حوالے سے بھی اس دور کی اہمیت ونزاکت سے انکار ممکن نہیں۔ اردو زبان کے حوالے سے ترقی اور بقا کے اس کام میں کئی اداروں اور افراد نے شب وروز کی مساعی سے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کی وجہ سے اردو زبان کے وجود کو لاحق خطرات کا مردانہ وار

مقابلہ ممکن ہوا جس کے نتیجے میں اردو کی اہمیت اور افادیت کو منوالیا گیا۔

ان مشاہیر اردو میں حافظ محمود شیرانی ایک متنوع الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ان کا ذہنی کینوس محدود نہ تھا اور میدان شوق وسعت پذیر تھا۔وہ جس میدان میں بھی چاہتے علم و ہنر کے گھوڑے دوڑا دیتے اور ایسی ایسی علمی،ادبی اور فنی موشگافیاں پیدا کرتے کہ پڑھنے والا حیران رہ جاتا۔انھوں نے اپنی زندگی میں بہت سے شعبوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔وہ بیک وقت محقق بھی تھے، نقاد بھی، شاعر بھی تھے اور ادیب بھی، وہ ماہر لسانیات بھی تھے اور زبان کی تدریس و تعلیم کے طور طریقوں سے باخبر بھی۔وہ ماہر مخطوطہ شناس، سکہ جات اور ماہر عتیقیات بھی تھے۔وہ تاریخ و جغرافیہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور عصری حالات و واقعات پر بھی۔ان کے پیش نظر مشرقی علوم و فنون ہی نہ تھے بلکہ وہ مغربی علوم و فنون اور مغربی ادب و تنقید اور مغربی تحقیق کے جدید اصولوں اور علمی دھارے سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

حافظ محمود شیرانی کو اللہ تعالیٰ نے خاص دماغ اور شعور عطا کیا تھا۔جس کی بدولت وہ جس میدان میں بھی اترے کامیاب و کامران ٹھہرے۔ وہ مسلسل محنت ، جاں سپاری، لگن ،انہماک،استقلال، جہد پیہم اور ایک تسلسل کے ساتھ کام کرتے رہنے کو ہی زندگی سمجھتے تھے۔اسی لیے انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر شعوری حصہ لکھنے لکھانے، پڑھنے پڑھانے اور تحقیق و تنقید میں صرف کیا۔تحقیق کا مادہ انھیں انگلستان سے ملا، وہاں وہ مختلف لائبریریوں اور پھرلوزک اینڈ کمپنی کے لیے تلاش و جستجو میں مصروف رہے۔وطن واپس آکر جب انھیں لاہور میں قیام کا موقع میسر آیا تو انھوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔محمد اکرام چغتائی کے بقول:

> ''حافظ محمود شیرانی کا آبائی تعلق پنجاب سے نہیں تھا لیکن ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت،ادبی ذوق کی آبیاری اور میدان تحقیق میں معرکہ آرائیاں مجموعی طور پر لاہور ہی کی علمی فضا کی مرہون منت ہیں۔برسوں پر محیط قیامِ انگلستان نے بھی ان ذوق تحقیق و جستجو کو جلا بخشی۔علی گڑھ اور لاہور کے علمی

حلقوں کے روح رواں پروفیسر آرنلڈ (م ۱۹۳۰ء) کی سر پرستی اور ہمکاری،
ہندوستانی احباب کی صحبت اور مسلمانوں کے تاریخی اور ادبی مصادر کے
معروف ناشر لوزک اینڈ کمپنی کی ملازمت نے انھیں ایک ایسی راہ سجھائی
جس پر وہ عمر بھر گامزن رہے۔''(۱)

حافظ محمود شیرانی نے لاہور میں پہلے اسلامیہ کالج لاہور اور پھر اورینٹل کالج میں پڑھانا شروع کیا تو ان کی صلاحیتوں میں اور زیادہ نکھار پیدا ہوا، انھیں درس وتدریس کی ملازمت کی بدولت کتابوں کے اور زیادہ قریب آنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے ان میں کتاب دوستی کا جذبہ فروغ پاتا چلا گیا۔

حافظ محمود شیرانی بطور شاعر:

حافظ محمود شیرانی نے بھی اپنے علمی وادبی کیریئر کا آغاز اکثر ادباء کی طرح شاعری سے کیا۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں شاعری کیا کرتے تھے۔ ان کی ابتدائی شاعری 'مخزن' لاہور میں شائع ہوتی رہی۔ وہ جب انگلستان چلے گئے تب بھی انھوں نے اکثر پرانی اور نئی لکھے جانے والی نظمیں مخزن میں اشاعت کے لیے بھیجیں۔ بعد میں فکر روزگار اور تحقیق وتنقید کے شغف کی وجہ سے شاعری کی قلمرو سے دور ہوتے چلے گئے۔ البتہ اپنی وفات سے قبل انھوں نے کچھ اشعار موزوں کیے۔ محمد اکرام چغتائی لکھتے ہیں:

''انگلستان کی آزاد فضاؤں نے نوجوان محمود شیرانی کے شعری ذوق کو مہمیز
کیا اور وہ محمود خاں شیرانی ٹونکی کے نام کے تحت نظمیں کہنے لگے اسی دور
یعنی بیسویں صدی عیسوی کے بالکل اوائل میں ان کی ایک اردو نظم ''ٹیپو
سلطان'' کے عنوان کے تحت شائع ہوئی۔(۲)

حافظ محمود شیرانی ایک بڑے شاعر بننے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے مگر ان کی طبیعت میں موجود کھوج، جستجو اور تحقیق اور نقد ونظر کا مادہ انھیں کسی اور منزل کی طرف آواز دے رہا تھا۔

شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''شعر و سخن میں انھیں مہارت حاصل تھی اور شعر وسخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ نظمیں اور غزلیں لکھا کرتے تھے۔ بقول شیخ عبدالقادر ان نظموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مرحوم اتفاق سے اس میدان کی طرف نکل جاتے تو یقیناً شعرائے اردو کی پہلی صف میں ممتاز کرسی پر رونق افروز ہوتے۔ (۳)

حافظ محمود شیرانی کی شخصیت میں پائی جانے والی گوناں گوں صفات اور مختلف الجہات مزاج انھیں کسی ایک میدان میں پابند و محدود کرنے میں مانع رہا۔ اگر وہ شاعری کے علاوہ اور کوئی ادبی کام نہ کرتے تب بھی ایک رجحان ساز شاعر کے طور پر وہ ضرور اپنے آپ کو منوا لینے میں کامیاب ہو جاتے اور اردو شاعروں کی فہرست میں ان کا نام سرِ فہرست لکھا جاتا۔ خلیق انجم لکھتے ہیں:

''شیرانی صاحب کا تصور ہمارے ذہنوں میں ایک محقق، نقاد، ماہر لسانیات اور ایک اعلیٰ درجے نثر نگار کا ہے۔ ہمیں اس کا علم ہے کہ ابتدائی زندگی میں انھوں نے کبھی کبھی شعر بھی کہے ہیں۔۔۔ اگر وہ خود کو شاعری کے میدان میں محدود کر لیتے تو اپنے عہد کے ممتاز شاعروں میں شامل ہوتے۔ (۴)

حافظ محمود شیرانی بحیثیت شاعر کوئی ایسا کلام نہ دے سکے کہ جسے ناقدین شعر وسخن عالمی یا قومی حوالے سے اہمیت دیتے، چونکہ ان کا میدان شاعری نہ رہا اور ان کی میلان طبع شاعری سے ہٹ کر تحقیق و تنقید کی جانب راغب ہو گیا جس کی وجہ سے حافظ محمود شیرانی شاعری میں وہ مقام حاصل نہ کر سکے جو کہ وہ حاصل کر سکتے تھے۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ وہ ایک قادرالکلام شاعر تھے۔ انھیں شعرانہ تخیل اور بحور و عروض پر پوری دسترس حاصل تھی۔

حافظ محمود شیرانی کی لسانی خدمات:

حافظ محمود شیرانی نے اردو زبان کے حوالے سے کئی مضامین و مقالات لکھے، دلائل و استدلال

کے ساتھ اردو اور پنجابی کے باہمی تعلق پر قلم اٹھایا۔ وہ زبان کی اہمیت سے باخبر تھے اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر انھوں نے زبان کے حوالے سے اپنی تحقیق اور لسانی نتائج کو مربوط شکل میں پہلے مختلف مقالوں اور پھر کتابی شکل میں ''پنجاب میں اردو'' کے عنوان سے پیش کیا۔ بقول تاثیر صاحب:

> ''اردو زبان کا آغاز سرزمین پنجاب سے منسوب ہونا' کوئی نیا نظریہ نہیں ،مگر شیرانی صاحب نے اس نتیجہ کا صغریٰ و کبریٰ مرتب کیا اور قیاسات کو واقعات کے مرتبہ تک پہنچایا ہے اور اصل بحث کے علاوہ کئی ایک ضمنی مطالب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔''(۵)

یہ بات درست ہے کہ اردو اور پنجابی کے حوالے سے ان سے پہلے بھی لکھا گیا مگر جو سائنسی اور لسانی توضیحات وتعبیرات اس حوالے سے حافظ محمود شیرانی نے پیش کیں وہ اس سے پہلے نظر نہیں آتیں۔ سید محمد عبداللہ ،حافظ محمود شیرانی کے لسانی نظریے ''پنجاب میں اردو'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اگر چہ یہ خیال پہلے پہل شیر علی سرخوش نے اپنے تذکرہ اعجاز سخن میں ظاہر کیا تھا ،تاہم اس نظریے کے اثبات میں ان کے پاس محکم علمی دلائل نہ تھے۔ شیرانی صاحب نے اپنی ان تھک علمی کوشش اور تحقیق وجستجو سے اس نظریہ کے لیے ایک سائنٹفک اساس مہیا کی۔ اس کوشش کے خلاف بعض صوبوں سے مخالفت کی آواز اٹھی ،مگر ہنوز اس نظریہ کی تغلیط کے لیے قوی دلائل پیش نہیں ہوئے۔''(۶)

پنجابی اور اردو کے حوالے سے بحث کو حافظ محمود شیرانی نے دلائل واستدلال کے ساتھ پیش کر کے اردو کے جنم کا معاملہ پنجابی سے جوڑا ہے۔ مصنف نے اپنی طرف سے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ اردو' بھاشا سے زیادہ پنجابی زبان کے قریب ہے اگر مماثلت کی وجہ سے بھاشا کو اس کی اصل سمجھا جا سکتا ہے تو پنجابی کو کیوں نہیں۔ بیسیوں ہی مماثلتیں ہیں جو کہ حافظ محمود

شیرانی نے اپنے نظریے کے حق میں پیش کی ہیں۔دونوں نے تربیت بھی ایک ہی جگہ پائی ہے اختلاف اس وقت ہوئے جب دہلی اور لکھنؤ کے شعراء نے اردو کو لے پالک بنالیا۔(۷) حافظ محمود شیرانی کی اس کتاب 'پنجاب میں اردو' نے اردو زبان کو ایک نئی زندگی اور استناد عطا کیا۔کتاب کی انفرادی حیثیت کے بارے میں ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''پنجاب میں اردو' صحیح معنوں میں اردو لسانیات کے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔اس موضوع پر لکھنے کے لیے نہ صرف زبان کے مختلف پہلوؤں پر گہری نظر رکھنا ضروری تھا بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں میں کی تاریخ سے کماحقہ واقفیت بھی لازمی تھی۔خوش قسمتی سے شیرانی صاحب مسلمانان ہند کی تاریخ کا رچا ہوا شعور رکھتے تھے اور اس بارے میں جن مآخذ تک ان کی رسائی تھی، دوسرے محققین اس سے محروم تھے۔''(۸)

حافظ محمود شیرانی کی تصنیف 'پنجاب میں اردو' کے منظر عام پر آنے کے بعد محمد حسین آزاد کے اس نظریے کی کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے' تردید ہوگئی۔مولانا محمد حسین آزاد کے نظریے کی تائید حکیم شمس اللہ قادری نے بھی کی تھی۔یوں سرزمین پنجاب (موجودہ مغربی پاکستان) میں اردو کے آغاز کا نظریہ مقبول ہوگیا لیکن ۱۹۴۲ء میں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلی کی تالیف ''کیفیہ'' کے شائع ہونے کے بعد اس نظریے کو کچھ لوگ مشکوک تصور کرنے لگے۔(۹) حافظ محمود شیرانی نے اردو پنجابی کے علاوہ برج بھاشا کا بھی مطالعہ کیا تھا اور اس کے علاوہ شیرانی نے گوجری اور گجراتی زبان کے مخطوطات وقدیم کتب کے مطالعہ کے لیے دور دراز کے سفر بھی کیے تھے۔ان کی تقلید میں دوسرے محققین نے بھی اردو اور پنجابی کے باہمی رشتے پر قلم اٹھایا۔ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

''اردو اور پنجابی کی لسانی مشابہتوں پر محمود شیرانی نے تفصیل سے روشنی ڈالی تھی اور اس ضمن میں ان کی زیادہ توجہ اردو پنجابی برج بھاشا کے تقابلی

جائزے پر مرکوز تھی۔ اردو اور پنجابی کے رشتے پر ڈاکٹر زور نے بھی تفصیلی
روشنی ڈالی ہے۔ پنڈت کیفی بھی ان دونوں زبانوں میں مضبوط باہمی
رشتے کے قائل تھے۔ ان کے مقابلے میں ڈاکٹر مسعود حسین خان اردو کا
رشتہ پنجاب کے ساتھ ساتھ ہریانی سے بھی ملاتے ہیں۔ (۱۰)

اہل علم اور زبان دان طبقے نے اس کتاب کو پذیرائی بخشی، جہاں بہت سی آراء اس کے حق میں آئیں وہاں مخالفت میں بھی کئی مضامین شائع ہوئے۔ الغرض اس کتاب کے طفیل اردو زبان اور اس کے مولد کے حوالے سے لسانی بحث کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر تاثیر نے اس کتاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس پر ''مخزن'' کے شمارہ مئی ۱۹۲۸ء میں قلم اٹھایا اور حافظ محمود شیرانی کے نظریے کی تائید میں مضمون تحریر کیا۔ (۱۱) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اس کتاب میں موجود حافظ صاحب کے نظریے کی حمایت میں لکھا اور اس حوالے سے پائی جانے والی اختلافی آوازوں کو بے مقصد اور بے جا قرار دیا:

''پروفیسر شیرانی نے غیر جذباتی ہو کر علمی انداز میں، قدیم فارسی تاریخوں
، تذکروں، خطوطات اور مسکوکات کی مدد سے پیش کیا نئی معلومات کے
منظر عام پر آنے کے بعد اس میں مزید تحقیق کی راہیں بھی کھلتی ہیں لیکن
اختلاف برائے اختلاف بے سود ہے۔ (۱۲)

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے حافظ محمود شیرانی کے نظریے کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اردو اور پنجابی ایک گھرانے کی زبانیں نہیں بلکہ دو الگ گھرانوں کی زبانیں ہیں۔ ایک نسل کی نہیں دو نسل کی ہیں۔ (۱۳) اس حوالے سے ڈاکٹر مسعود حسین خان نے لکھا کہ شیرانی نے پنجاب میں اردو لکھتے وقت اس لسانیاتی حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا ہے کہ گجراتی اور راجستھانی کی طرح پنجابی زبان کا تعلق بھی قدیم زمانہ میں زبانوں کی بیرونی شاخ سے تھا جس کے نشانات جدید پنجابی تک میں ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موجودہ پنجابی کی ساخت اس بات کا بھی پتہ دیتی ہے کہ

اس پر کسی زمانہ میں اندرونی زبان مدھ پردیش کی زبان (جس کی نمائندہ بولیاں آج کل برج بھاشا اور کھڑی بولی ہیں) کی چھاپ نہایت گہری پڑ چکی ہے۔[۱۴] ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''حافظ شیرانی کا یہ نظریہ لسانی مباحث میں اب مستقل اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ ماہر لسانیات اس کی تائید کریں یا تردید اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اب اس سے صرف نظر ممکن نہیں۔ بلاشبہ لسانیات میں یہ عہد آفرین نظریہ ہے۔''[۱۵]

پروفیسر شیرانی کے نظریے کی اشاعت کے بعد ڈاکٹر زور کے علاوہ جن محققین اور لسانی ماہرین نے اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ان میں سید سلمان ندوی، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، اور پروفیسر سینتی کمار چیٹر جی کے نام قابل ذکر ہیں۔[۱۶] صوتی لحاظ سے اردو اور پنجابی کی قرابت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ پروفیسر شیرانی نے ایسے لسانی اشتراک کی بھی نشاندہی کی ہے جو دوسری زبانوں کے مقابلے میں اردو اور پنجابی میں عام ہے۔ شیرانی نے اس معاملے میں مروجہ اردو سے اعراض کر کے اردوئے قدیم خصوصاً دکنی اردو جس کے ادبیات کی قدامت اردو میں مسلم ہے) سے نمونے پیش کیے ہیں۔[۱۷] انھوں نے پرانے پنجابی شاعروں کے کلام میں اردو کے اثرات کا جائزہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ اردو شاعروں کے ہاں پنجابی زبان کے آثار پر بھی بحث کی۔ پروفیسر گیان چند اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی سب سے مشہور تصنیف 'پنجاب میں اردو' کی اہمیت لسانی نظریے کے لیے زیادہ ہے، ادبی تحقیق کے لیے کم سے کم ہے۔''[۱۸]

یہ درست ہے کہ حافظ محمود شیرانی کو اردو تحقیق میں اولیت حاصل ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے اردو میں تحقیقی کارنامے سرانجام دیے۔ جس کو مزید آنے والے محققین نے آگے بڑھایا۔ پروفیسر گیان چندان کی لسانی تحقیق کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''پروفیسر شیرانی نے اپنے معاصرین کے مقابلے میں اردو میں لسانی

تحقیق کا فی الحقیقت بہت بڑا کارنامہ انجام دیا اور اردو کی ابتدا کے سلسلے میں تحقیق کا راستہ ہموار کیا۔"[۱۹]

یہ بات طے ہے کہ اردو مختلف بولیوں اور زبانوں کے امتزاج اور اختلاط کا نتیجہ ہے ۔مختلف سیاسی اور تہذیبی عوامل نے اس کی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا ہے۔حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا آغاز پنجاب کی سرزمین سے ہوا بعد میں یہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی میں آئی جہاں اس نے گردونواح کی بولیوں کے اثرات کی وجہ سے ایک نئی زبان کی حیثیت اختیار کر لی جو آگے چل کر اردو کہلائی۔[۲۰] برصغیر میں مختلف فاتحین کی آمد اور حکومتوں کی ردوبدل میں پنجاب کی سرزمین ہمیشہ مرکزی اہمیت کی حامل رہی ہے اس لیے یہاں پرنئی زبان کی پرداخت میں سرزمین پنجاب کے بنیادی کردار کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ محمود شیرانی کا یہ لسانی کام کسی بھی بڑے کارنامے سے کم نہیں ہے۔وہ اردو لسانیات میں ایک اہم مقام ومرتبہ کے حامل ہیں۔ان کے لسانی کام کو بہت سراہا گیا۔انھوں نے بڑی محنت اور تحقیق سے پنجابی اردو کی لسانی مشابہتوں کو تلاش کر کے اردو اور پنجابی کے باہمی تعلق کو واضح کیا۔

حافظ محمود شیرانی بطور محقق:

حافظ محمود شیرانی بنیادی طور پر ایک محقق ہیں۔جن کی فطرت اور مزاج میں قدرت نے جستجو،کھوج اور استدلال کا مادہ رکھا ہوا تھا۔وہ بغیر دلیل یا تحقیق کے کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اردو میں تحقیق کا جو خزانہ چھوڑا ہے اس کے قابلِ قدر ہونے میں کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی۔بقول شمس اللہ صدیقی:

> "محمود شیرانی کی اولین حیثیت فارسی اور اردو ادب کے مؤرخ اور محقق کی ہے ان کا علمی کام زیادہ تر تحقیق زبان اور تحقیق واقعات سے متعلق ہے۔"[۲۱]

ان کے ممتاز علمی و تحقیقی کارناموں میں پنجاب میں اردو،تنقید شعر العجم،فردوسی پر چار

مقالے، خالق باری، پرتھی راج راسا، تنقید بر آبِ حیات کے علاوہ ان کے تحقیقی مقالات کے مجموعے، مقالات حافظ محمود شیرانی کے عنوان سے شامل ہیں جنھیں دس جلدوں میں مجلس ترقی ادب لاہور شائع کیا ہے۔ صفدر علی لکھتے ہیں:

''حافظ محمود خاں شیرانی بہت بڑے محقق تھے تحقیق و تدقیق ان کے مزاج اور مذاق میں گھلی اور رچی ہوئی تھی۔ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اسی لیے ان کی تحریروں میں تحقیق کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ (۲۲)

ڈاکٹر گیان چند، حافظ محمود شیرانی کو بطور ماہر لسانیات ایک اہم مقام پر فائز کرتے ہیں مگر وہ حافظ محمود شیرانی کے تحقیقی کام کے حوالے سے کچھ تحفظات بھی رکھتے ہیں۔ وہ 'پنجاب میں اردو' کو اردو لسانیات اور ادبی تحقیق دونوں حوالے سے کمزور کام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جہاں تک ادبی تحقیق کا سوال ہے یہ کتاب کہیں نہایت بلند ہے کہیں بسیار پست۔ 'پنجاب میں اردو' میں تحقیق کے اعلیٰ نمونے بھی بکثرت ہیں، مثلاً ابتدائی ابواب میں 'ریختہ' کا بیان خالق باری کا تجزیہ، فارسی لغات میں اردو الفاظ وغیرہ۔ (۲۳) ان کا اختلاف بھی دراصل حافظ محمود شیرانی کی تحقیقی کاوشوں کے لیے ان کی طرف سے خراج تحسین ہی ہے۔ انھوں نے حافظ محمود شیرانی کے کام سے جو استفادہ کیا ہے اس کا اظہار و اعتراف انھوں نے 'ارمغان شیرانی' میں شامل اپنے مضمون 'محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات' میں کیا ہے۔ رشید حسن خان شیرانی کی اردو تحقیق کے حوالے سے خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تحقیق نے شیرانی صاحب کی روایت کو پھر سے زندہ کیا، جنھوں نے سب سے پہلے تحقیق کی سچائی کو، ساری وضع داریوں، مروتوں، مصلحتوں اور سخن گسترانہ اسالیب سے بالکل الگ رکھنے پر زور دیا تھا اور اس کے بہترین علمی نمونے پیش کیے تھے۔'' (۲۴)

رشید حسن خان تمام تر اختلافات کے باوجود حافظ محمود شیرانی کو اردو کے حوالے سے

پہلا محقق تسلیم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو میں تحقیق کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز سے ہوتا ہے اور کسی تکلف کے بغیر، شیرانی صاحب کو اردو میں تدوین و تحقیق کا معلمِ اول کہا جا سکتا ہے۔ شیرانی صاحب نے قدیم مشرقی اندازِ تعلیم اور مغربی اندازِ نظر دونوں سے فیض پایا تھا، مزاجاً ان کو تحقیق سے مکمل مناسبت تھی اور ان کے یہاں وہ منطقی اندازِ نظر موجود تھا جس کے بغیر، اندازِ گفتگو میں صحت اور استخراجِ نتائج کا سلیقہ آ ہی نہیں سکتا۔ زود نویسی، آسان پسندی اور کم نظری سے انھیں گویا علاقہ نہیں تھا، نہ پرستاریِ وہم سے سروکار تھا۔ تحقیق اور تدوین دونوں موضوعات پر ان کا بیش تر کام، مثال و معیار کی حیثیت رکھتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کے کام کی اہمیت اور افضلیت کو برابر تسلیم کیا گیا، لیکن عملی سطح پر مدت تک ان کے طریقہ کار کا اثر قبول نہیں کیا گیا۔''(۲۵)

حافظ محمود شیرانی نے ادبی دنیا میں اوہام و مفروضات کے پچاسوں بت توڑے ہیں۔ فردوسی کی طرف یوسف زلیخا کا انتساب، فردوسی کی ہجو محمود، فارسی دیوان کا حضرت شیخ معین الدین چشتی کی طرف انتساب، پرتھی راج راسا منسوب بہ چند بردائی، امیر خسرو کی طرف منسوب خالق باری وغیرہ موضوعات پر انھوں نے جیسی دقیق نظری سے بحث کی ہے اور جعلی انتساب کا پردہ چاک کیا ہے وہ تحقیقی دنیا کا شاہکار ہیں۔(۲۶) یہ حقیقت ہے کہ حافظ محمود شیرانی ایک روایت شکن محقق ہیں۔ فطرت نے ان کے مزاج کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ وہ کسی مستند ثبوت کے بغیر عرفِ عام میں مصدقہ تاریخی اور ادبی حقائق کو من و عن تسلیم کرنے سے گریزاں رہے۔ اثبات کی نسبت نفی کا عمل زیادہ کٹھن، وسعت نظر یا وسعت مطالعہ کا متقاضی ہوتا ہے۔(۲۷) بلا مبالغہ وہ ایک جینوئن محقق ہیں جنھوں نے اردو تحقیق کے باب میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔

شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''شیرانی فطرتاً تحقیق کے دلدادہ تھے جو مسئلہ ان کے سامنے ہوتا اس کے معاملے میں محض حافظے یا علم پر بھروسہ نہ کرتے بلکہ اس کی خوب تحقیق اور چھان پھٹک کرتے۔''(۲۸)

حافظ محمود شیرانی اردو تحقیق میں ایک دبستان کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں انھوں نے اپنی تحقیق میں جس دقت نظری، تلاش و جستجو اور باریک بینی سے کام لیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے اصول تحقیق اپنائے انھوں نے نئے آنے والے محققین کے لیے رہنمائی فراہم کی۔ نورینہ تحریم بابر لکھتی ہیں:

''یہ کہنا تو درست نہیں ہوگا کہ حافظ محمود شیرانی کی وضع کردہ رسمیات تحقیق نے راہ نہیں پائی۔ ضرور پائی۔ صرف مولوی محمد شفیع کا نام لینا کافی ہوگا اور پھر ان سے فیض حاصل کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔''(۲۹)

تحقیق میں ان کے وضع کردہ قواعد و ضوابطِ تحقیق کو سراہا گیا۔ ان کی تحقیقی کاوشوں کا ایک زمانہ معترف ہے بلکہ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''حافظ صاحب نے تحقیق و صداقت کی روایت پیدا کی۔ ان کے نتائج سے بہت کم اختلاف کیا گیا چنانچہ انھیں اردو کا سب سے بڑا محقق اور ایک دبستان تنقید کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔''(۳۰)

حافظ محمود شیرانی نے جو قابل تقلید تحقیقی رویہ ہمارے سامنے پیش کیا وہ یہ ہے کہ محقق کی اصل وابستگی کسی جماعت، مکتبۂ فکر یا بعض طے شدہ مسلمات سے نہیں ہوتی بلکہ سند اور تحقیقی ثبوت اور ان کے نتائج سے ہوتی ہے۔(۳۱) شیرانی نے اپنی تحقیق میں خارجی شواہد کے علاوہ شہادت کا طریقہ استعمال کیا اور یہ بہت کامیاب رہا۔ اسی طریقے سے انھوں نے بعض کتابوں کے غلط انتساب کے مغالطوں کو دور کیا۔ مثلاً دیوان حسن، دیوان معینی، پرتھی راج راسو، اور خالق باری جو

اصل مصنفوں کی بجائے بعض دوسرے لوگوں کی طرف منسوب ہوگئی تھیں، پروفیسر شیرانی نے اصل مصنفوں کو ان کی گم شدہ کتابیں واپس دلائیں۔ (۳۲) انھوں نے بہت سی تحقیقی غلطیوں کو درست کیا۔ ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

> ''خالق باری پرتھوی راج راسا پران کے مضامین ادبی تحقیق کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شیرانی صاحب کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بعض تحقیقی کتابوں پر تبصرے کر کے غلطیوں کی نشاندہی اس طرح کی ہے کہ تحقیق کے بنیادی اصولوں کی وضاحت ہوگئی۔ اس سلسلے میں یوں تو انھوں نے بہت سے مضامین لکھے لیکن شبلی کی 'شعر العجم'، محمد حسین آزاد کی 'آب حیات' اور ان کے مرتبہ دیوان ذوق اور ان کے تبصرے شاہکار ہیں۔ اردو میں اس طرح کے تبصرے پہلی بار لکھے گئے تھے۔'' (۳۳)

حافظ محمود شیرانی کی درست سمت میں تحقیق نے انھیں اعتبار و اعتماد عطا کیا۔ اگر وہ صرف قصہ چہار درویش والا مقالہ اور ''تنقید بر آب حیات'' کا طویل سلسلہ ہی لکھ کر چھوڑ جاتے تو بھی اردو کے بڑے محقق تسلیم کیے جاتے۔ (۳۴) امیر خسرو کی تخلیقات کے حوالے سے حافظ محمود شیرانی کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے تاریخی مغالطوں اور تحقیقی غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہوا۔ بعض ناقدین کو ان کے نتائج سے اختلاف بھی ہے مگر ان کی تحقیق کا اسب اعتراف کرتے ہیں۔ پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں:

> ''اردو تحقیق میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ امیر خسرو کو دو تصانیف سے بے دخل کرنا ہے۔ مفت کرم داشتن کے بمصداق 'قصہ چہار درویش' کو امیر خسرو کی تصنیف قرار دیا جاتا تھا۔ شیرانی نے رسالہ 'کاروان' ۱۹۳۳ء میں مضمون لکھ کر شافی طریقے پر ثابت کر دیا کہ یہ قصہ خسرو سے بہت بعد کا ہے لیکن انھوں نے عہد محمد شاہی کے محمد معصوم خان کو جو اس کا مصنف

ٹھہرایا وہ بھی صحیح نہ تھا۔خالق باری کے لیے انھوں نے ثابت کیا کہ امیر
خسرو کی تصنیف نہیں بلکہ عہد جہانگیر کے کسی ضیاء الدین خسرو کی ہے ابھی
یہ پوری طرح متحقق نہیں، لیکن ان کے اس دعوے کو ماننے کو جی چاہتا ہے
کہ یہ عامیانہ لغت خسرو کی تخلیق نہیں۔" (۳۵)

عطار نیشاپوری کے حالات زندگی اور تبصرے کے بعد شیرانی نے عطار کے کلام کا تعین کیا ہے مختلف منابع سے ان کی طرف منسوب جن کتابوں کی فہرست تیار کی ہے ان کی تعداد ۲۵ ہے ان میں سے دس عطار کی ہیں بقیہ جعلی ہیں۔شیرانی نے ۱۴ کتابوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے کہ ان کی نسبت عطار کی طرف صحیح نہیں۔ (۳۶) شیرانی صاحب کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بعض تحقیقی کتابوں پر تبصرے کر کے تحقیقی غلطیوں کی نشاندہی اس طرح کی کی تحقیق کے بنیادی اصولوں کی بھی وضاحت ہوگئی۔ (۳۷) ہم ان کے اندازِ تحقیق سے صحیح سمت میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

"پروفیسر شیرانی کا سب سے بڑا کارنامہ دیوان انوری کی رو سے التمش
کے دور کے ایک شاعر تاج ریزہ دہلوی کے قصائد کا تعین ہے۔ان کی تحریر
سے ایک شاعر کے مفقود کلام کی بازیافت ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ
دو شاعروں کے کلام کے گڈ مڈ ہو جانے پر ان کی شناخت اور ایک دوسرے
سے الگ کرنے کے کیا اصول ہو سکتے ہیں۔" (۳۸)

حافظ محمود شیرانی نے عروض کی تشکیل نو کے حوالے سے بھی کام کیا ہے۔وہ اس بارے میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ نئے اوزان دریافت کیے بلکہ رباعی کے اوزان کے بارے میں پھیلے ہوئے مغالطوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی۔تدوین اور تنقید متن کے حوالے سے بھی اہم کام سرانجام دیا۔ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

"اردو کا پہلا محقق ہونے کا شرف حافظ محمود شیرانی کو حاصل ہے انھوں نے

> تنقیدِ شعرالعجم لکھ کر محققین میں ذمہ داری کا احساس پیدا کیا۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے تذکرے ''مجموعۂ نغز'' کا تنقیدی ایڈیشن تیار کر کے متنی تنقید کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا۔ پنجاب میں اردو اور لسانیات کے موضوعات پر خاصی تعداد میں مضامین لکھ کر لسانیات کے میدان میں نئی سمتوں کی نشاندہی کی۔''(۳۹)

حافظ محمود شیرانی مرحوم کا مطالعہ بلاشبہ بہت وسیع تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیرانی صاحب نے تحقیق سے متعلق جو علوم حاصل کیے تھے وہ کسی اور اردو محقق کو نصیب نہیں ہوئے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ زبان کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھیں سکہ شناسی، کتبہ شناسی اور مُہر شناسی پر دسترس تھی۔ قدیم کاغذ روشنائی، مخطوطے کی آرائش، نقش و نگار، کتابت اور خط کی شناخت پر انھیں قدرت حاصل تھی۔ تاریخی لسانیات پر ان کی گہری نظر تھی، اس سلسلے میں 'پنجاب میں اردو' ان کا شاہکار ہے۔(۴۰) وہ ایک ایسے محقق تھے جنھوں نے اردو زبان و ادب کے حوالے سے تحقیقی و تنقیدی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اردو تحقیق کے حوالے سے ان کے معیاری کام کو جتنا سراہا جائے وہ کم ہے۔

حافظ محمود شیرانی کی ایک خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے خود کو کبھی کسی نظریے یا تعصب کے زیرِ اثر نہیں آنے دیا۔ انھوں نے زبان و ادب کے حوالے سے تاریخی و لسانی حقائق کو شفاف انداز میں پیش کیا۔ تحقیق کا میدان ہو یا تنقید کا انھوں نے خود کو ہمیشہ تعصّبات اور مختلف دائروں سے باہر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تحقیقی و تنقیدی کام پر بہت کم اعتراضات ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

> ''شیرانی تحقیق و تصنیف میں یک سو آدمی تھے۔ مآخذ کے وسیع اور گہرے مطالعے کی انھیں فرصت میسر تھی۔ ان کے سامنے کوئی ندوہ، کوئی مسلم لیگ، کوئی کانگریس نہیں تھی۔ بس اپنا ہی کام۔ تصنیف و مطالعہ!''(۴۱)

حافظ محمود شیرانی کی تحقیق و تصنیف کا جادو آج بھی اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ ان کا عہد تحقیق کے سنگلاخ دور کا عہد تھا۔ تنقید کے خوش نما غبارے ابھی چھوٹے نہیں تھے، تنقید بغیر تحقیق کے محض خوش نما غبارے کی مانند ہوتی ہے، جس کی ہوا نکل جائے تو غبارہ پچک کر رہ جاتا ہے، مگر تحقیق 'تنقید کے لیے ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہے اور وہی تنقید باقی رہ جاتی ہے جس کی بنیاد حقائق و جستجو پر ہو۔ شیرانی اسی تحقیق کے علم بردار تھے۔[۴۲] انھوں نے مقدار اور معیار دونوں حوالے سے اطمینان بخش تحقیقی و تنقیدی سرمایہ چھوڑا ہے۔ تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

> ''پروفیسر حافظ محمود شیرانی اردو میں ادبی تحقیق کے وہ معلم اول ہیں جنھوں نے حقائق کے تجسس اور استخراجی و استقرائی نتائج کے اخذ و استنباط کے ہر مرحلہ میں تاریخی تناظر سے روشنی و رہنمائی حاصل کی اور معروضی طریق فکر دست گیری و نظر فروزی نے ان کی تحقیقی عیار گیری کے پیمانے کو بلند رکھا اور زیادہ صحیح اور وقیع نتائج تک پہنچایا۔''[۴۳]

بعض محققین کے نزدیک حقائق کو دوٹوک صورت میں پیش کر دینا ہی اصل مقصود ہے جبکہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ حقائق کی اولیت اپنی جگہ لیکن زبان بھی ایسی ہونی چاہیے جو مقالے کو قابل قرات بنائے خالص علمی اسلوب میں دلچسپی اور شگفتگی کی جہت کا اضافہ کرنا شیرانی صاحب کی اردو تحقیق کو عطا ہے۔[۴۴] شیرانی نے کوشش کی کہ اسلوب اس قسم کا رکھا جائے کہ ان کی تحقیقی زبان سپاٹ اور الجھی ہوئی نہ ہو جو کہ کسی کی سمجھ ہی میں نہ آئے اور حقائق ترتیب وار منطقی انداز میں پیش کیے جائیں۔

حافظ محمود شیرانی تنقید اور تحقیق میں مصنف کے حالات زندگی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ انھوں نے اردو تحقیق کے باقاعدہ اصول و ضوابط اور قوانین تو مرتب نہیں کیے مگر ان کی تحقیق سے اس کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ خلیق انجم، حافظ محمود شیرانی کی 'تنقید شعر العجم' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مصنف کے عہد کی سیاسی، سماجی اور مذہبی تاریخ کی اہمیت کا اندازہ ان دلائل سے ہوتا ہے جو پروفیسر شیرانی نے فریدالدین عطار سے منسوب مظہرالعجائب کو جعلی ثابت کرنے کے لیے دیے ہیں۔۔۔مختلف شواہد پیش کرنے کے بعد حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں: الغرض شاہ اسمٰعیل صفوی سنہ ۹۰۷ ہجری سنہ ۹۳۰ ہجری کا عہد اس تصنیف کے لیے بہت موزوں معلوم ہوتا ہے جب کہ مذہبی لحاظ سے ایران نئی کروٹ لے رہا تھا۔''[۴۵]

حافظ محمود شیرانی اردو تحقیق میں ایک معتبر نام ہے۔انھوں نے اردو میں تحقیق کی بنیاد مضبوط کرنے کے لیے جدید مغربی اصولوں کو اپنایا۔حوالوں اور مآخذات اور مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے لیے چھان بین اور جرح وتعدیل کی صحت مند روایت قائم کی۔بقول ابن کنول:

''شیرانی بنیادی طور پر استخراجی محقق ہیں جس کے بہترین نمونے تنقید شعر العجم میں ملتے ہیں۔انھوں نے شعرالعجم کا جائزہ تحقیقی وتنقیدی تناظر میں کیا ہے۔''[۴۶]

حافظ محمود شیرانی مقام ومرتبہ اور عظمت کے لحاظ سے اردو تحقیق میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔اردو تحقیق کا ایک معتبر دبستان ان سے منسوب ہے۔انھوں نے اردو تحقیق کو سند ودلیل عطا کی۔انھوں نے تحقیقی مغالطے دور کیے۔تحقیق کو اصول اور قاعدے قوانین عطا کیے۔ان کی تحقیق سے آنے والے لوگوں نے اصول وضوابط مرتب کیے۔انھوں نے اردو تحقیق میں جتنے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ان کی وجہ ہی سے انھیں اردو تحقیق کا معلم اولیں سمجھا جاتا ہے۔

حافظ محمود شیرانی اور اردو تنقید:

حافظ محمود شیرانی کے تصنیفی سرمائے کو جب دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمود شیرانی جہاں اور بہت سی صفات اور صلاحیتوں کے مالک تھے وہاں ان میں تنقیدی صلاحیتیں بھی کم

اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔انھوں نے جس ادیب اوراس کے کلام پر تنقید کی ،اس انداز میں تنقید کی کہ تنقید کا حق ادا کر دیا۔ان کی تنقید مبالغہ آمیزی ،صرف داد وتحسین یا طعن وتعریض کا نام نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنی تنقید کو Research Based بنایا۔انھوں نے تنقید میں جگہ جگہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے تنقید وتحقیق کے تمام تقاضے نبھانے کی کوشش کی۔جو بھی بات کی دلیل سے کی۔ کوئی بھی معاملہ ہو،استدلال اور حق گوئی ان کے مزاج میں شامل ہو کر تنقید کا جز و لاینفک بن گئی۔ کتنا ہی بڑا نام کیوں نہ ہو،کتنی ہی بڑی ادبی شخصیت سامنے کیوں نہ آجائے،ان کا قلم راہِ مستقیم اور توازن وعدل کے رستے سے انحراف کرتا نظر نہیں آتا۔

فن تنقید میں ان کو کمال حاصل تھا۔نہایت محنت اور عرق ریزی سے صحیح واقعات کو تلاش کرتے تھے۔فارسی اور اردو میں ان کی وسعت نظر حیرت ناک تھی۔[۴۷] انھوں نے ان دونوں زبانوں کے حوالے سے قابلِ قدر تنقیدی کام سرانجام دیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے تنقید برائے تنقید کا فن نہیں اپنایا بلکہ انھوں نے اپنی تنقید کی بنیاد تحقیق کے مسلمہ اصولوں پر رکھی۔کسی بھی فن پارے پر تنقید کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں کا تحقیقی مطالعے اور تجزیے کو ممکن بنایا پھر اس پر قلم اٹھایا۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اردو ادب کی اتنی بڑی شخصیات کے فن پر تنقید کی اور جہاں جہاں اختلاف یا کوئی غلطی محسوس کی اسے فوری گرفت میں لے لیا۔انھوں نے تنقید کو تحقیق کی بنیاد فراہم کی۔نورینہ تحریم بابر لکھتی ہیں:

> ''ادبی معاملات وموضوعات پر جو تنقید ہوتی ہے اگر اس کے پیچھے اگر تحقیق کی بنیاد موجود ہو تو تنقید کی کیسی رفیع الشان عمارت تعمیر ہوگی،آپ حافظ محمود شیرانی کے 'شعرالعجم' (شبلی) اور 'آب حیات' (آزاد) پر تنقیدی مضامین دیکھ لیجئے اندازہ ہو جائے گا۔''[۴۸]

انھوں نے تنقید کے حوالے سے بھی بہت کام کیا۔مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کی تحقیق کے آگے ان کی شخصیت کے تمام رخ ماند پڑ گئے اور وہ ایک ماہر محقق کی حیثیت سے پہچانے جانے

لگے۔ حتیٰ کہ ان کی تنقید پر بھی ان کی تحقیق کی گہری چھاپ موجود ہے۔ جو ان کی تنقید کو مزید اعتبار و استناد فراہم کرتی نظر آتی ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> ''شیرانی صاحب کو تحقیق سے غیر معمولی انہماک تھا اس لیے وہ تنقید کی طرف پوری طرح توجہ نہیں کر سکے لیکن ان کی تحریروں میں کچھ نہ کچھ تنقیدی خیالات ضرور ملتے ہیں جن کو مجموعی اعتبار سے دیکھنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ان پر بھی عہد تغیر کی تنقید کا اثر ہے۔ (۴۹)

حافظ محمود شیرانی کی زیادہ تر توجہ ابتدائی دور کے اردو ادب پر رہی جس کی وجہ سے ان کی تنقید میں لسانیاتی پہلو واضح اہمیت اختیار کرتا چلا گیا۔ وہ پنجاب کے ابتدائی اردو شعراء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ان کے کلام کو جانچتے وقت ہمیں اپنے زمانے کے معیار تنقید سے کام نہیں لینا چاہیے کہ یہ لوگ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں جہاں اردو مادری زبان نہیں ہے اور ڈیڑھ دو سو سال پہلے خود اردو کا معیار مختلف تھا۔''(۵۰)

تنقید کے پیمانے:

حافظ محمود شیرانی کی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو بے جا داد و تحسین کے ڈونگرے برساتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی وقت بے وقت طعن و تعریض سے کام لیتے ہیں۔ ان کی تنقید کئی جہتیں رکھتی ہے۔ انھوں نے اردو تنقید کو نیا آہنگ اور روپ عطا کیا۔ اردو کے تنقیدی سرمائے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی لکھتے ہیں:

> ''حافظ محمود شیرانی جانتے تھے کہ کس دور کے ادب پر تنقید کے لیے کون سے پیمانے اور کس طرح کے تنقیدی اصول و ضوابط درکار ہوں گے۔ اسی لیے ان کا تنقیدی سرمایہ تنقید کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے جن میں لسانیاتی تنقید، تاریخی تنقید، تقابلی تنقید، معاشرتی تنقید، نفسیاتی تنقید،

خالص ادبی تنقید کے تحت ان کی تنقیدات سامنے آتی ہیں۔''(۵۱)

انھوں نے ملا وجہی کی سب رس کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے اس کی لسانی خصوصیات پر روشنی ڈالی اس حوالے سے صرفی ونحوی خصوصیات پر تنقید کی اور سب رس کی زبان کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے اس پر فارسی کے گہرے اثرات کا جائزہ لیا حافظ محمود شیرانی نے اردو میں لسانیاتی تنقید کا در وا کیا۔تنقید کرتے ہوئے انھوں نے معاشرتی اور سیاسی وسماجی پس منظر بھی سامنے رکھا۔ بقول ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی:

''لسانیاتی تنقید میں شیرانی جیسے غائر و غامض مطالعے اور اس کے عملی اطلاق کی نظیر اردو یا فارسی کے کسی نقاد کے ہاں نہیں پائی جاتی۔''(۵۲)

ان کی تنقید سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات مصنف کے حالات اور اس کے عہد کے سیاسی و سماجی حالات وواقعات کی وجہ سے بھی کئی چھپے ہوئے حقائق کو سامنے لانا ممکن ہے اور تنقید میں کسی بھی ادب پارے کو اس کے عہد کے تناظر میں دیکھنے سے صورت حال کی بہتر انداز میں تشریح و توضیح ممکن ہو جاتی ہے۔

طریق کار:

حافظ محمود شیرانی نے مختلف اصناف ادب کے ارتقا پر بھی تنقیدی سرمایہ چھوڑا ہے وہ جب کسی شاعر کے کلام پر تنقید کرتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اس صنف سخن پر سیر حاصل بحث بھی کر دیتے ہیں سوانحی کوائف اور شخصی اور معاشرتی پہلو اور تہذیبی اقدار کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ان کے ہاں حتی الامکان تنقید میں ذاتی تعصب اور جانب داری سے پرہیز کرنے کا رجحان نظر آتا ہے۔انھوں نے ''مجموعہ نغز'' پر تنقید کرتے ہوئے عمرانی پس منظر کا مطالعہ بھی پیش کیا۔انھوں نے فارسی شعرا کے کلام پر جو تنقید پیش کی ہے اس میں نہ صرف شعر و ادب پر تنقید کی بلکہ ان شعراء کے کلام کا آپس میں عصری اور فکری حوالے سے تقابلی مطالعہ بھی پیش کیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا شاعر کس مقام اور مرتبے کا حامل ہے اور وہ اپنے ہم عصر شاعروں کی

نسبت کہاں کھڑا ہوا ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے انوری، فردوسی، فتوحی، سنجری، رودکی، امامی، اسدی، نظامی، سعدی وغیرہ جیسے بڑے بڑے نامور فارسی شعراء پر تنقید کر کے ان کے مقام و مرتبے کا تعین کیا۔ اس حوالے سے ان کی تنقید ملاحظہ کیجیے:

''فردوسی کے ہاں جہاں حلاوت ہے اسدی کے ہاں ملامت جھلک مارتی ہے۔ خدائے سخن کی متانت کے مقابلے میں اسدی کے ہاں چلبلاہٹ اور بانک پن کا نمک بھی موجود ہے۔ بلند مضمون منتخب الفاظ، چست بندش، جوش و خروش کی تاثیر، چیدہ تشابیہہ، برجستہ اسمائے صفات نے اسدی کے کلام کو زیادہ شوخ اور سگھڑ بنا دیا ہے۔ زبان کی ترقی، وقت کی مساعدت اور طبیعت کی رنگینی اسدی کے حق میں فیصلے کے لیے جھکتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اصل اصل ہے اور نقل نقل۔''(۵۳)

حافظ محمود شیرانی نے مولانا شبلی کی آراء کی تصحیح کی اور مزید تنقید سے کام لے کر صورتحال کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ وہ تنقید کرتے وقت نہ صرف ادیب بلکہ قاری کی نفسیات کو بھی سامنے رکھتے ہیں اور ان دونوں کی ذہنی کیفیات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پنڈت دتاتریہ کیفی لکھتے ہیں:

''وہ تنقید کرتے وقت ادیب کی شخصیت، ماحول کے اثرات، ذہنی رجحان اور افتادِ طبع کے اثرات کا خیال ضرور رکھتے ہیں۔ مثلاً ملا وجہی کی سب رس پر ایک مضمون لکھتے ہوئے وجہی کے ماحول اور سماجی حالات کا ذکر وہ خاصی تفصیل سے کرتے ہیں۔''(۵۴)

جہاں اکثر لوگوں نے حافظ محمود شیرانی کی شعری و ادبی تنقید اور اندازِ تحقیق کو سراہا ہے وہاں کچھ نے اس پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ان کی تنقید میں خامی کا ذکر

کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان کی تنقید میں تشنگی اور گہرائی کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ بیانیہ پہلو پر وہ خاص طور پر زور دیتے ہیں۔ [۵۵]

نقاد کی خصوصیات:

حافظ محمود شیرانی نے ادب پر تنقید کرتے ہوئے ادبی پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ ان کے خیال میں ادب پر تنقید کے لیے ضروری ہے کہ نقاد جس صنف پر تنقید کر رہا ہے اس صنف کے ہئیتی اور فنی وفکری رموز سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہو اور تنقید نگار کو ادبی روایات واقدار کے گہرے شعور کا حامل ہونا چاہیے۔ حافظ محمود شیرانی ایک نقاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جس طرح ایک مصور کسی شخص کی تصویر میں ، اس کی ظاہری شکل وصورت اور خط وخال ، رنگوں کے ذریعے دکھا سکتا ہے؛ اسی طرح ایک منتقد کسی مصنف کے ان تمام خصائص کی ، جو اس کی تصنیف کے مخصوص خط وخال ہیں۔''[۵۶]

حافظ محمود شیرانی کی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ ادب وتنقید کے اس کی گرفت مضبوط تھی۔ انھیں اردو اور فارسی ادبیات اور دونوں زبانوں کے علمی وفکری سرمائے سے مکمل طور پر مالا مال تھے۔ اپنی تنقید میں انھوں نے فکری اور فنی دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا ہے۔ سب رس پر تنقید ہو یا قابوس نامہ پر، مثنوی یوسف زلیخا کی بات ہو یا تاریخ غریبی، آب حیات پر تنقید ہو یا شعرالعجم پر، مسدس حالی ہو، دیوان ذوق ہو یا شاہنامہ فردوسی پر تنقید ہو؛ انھوں نے ہمیشہ حتی المقدور عدل وتوازن سے کام لیتے ہوئے صحیح تنقید کا مظاہرہ کیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی اپنی تنقید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تنقید کے دوران میں نہ صرف تخریبی پہلو پر نظر رکھی ہے بلکہ حسب اجازت وقت تعمیری کام بھی کیا ہے۔[۵۷] شیرانی صاحب کے ایسے کام ''تنقید شعرالعجم''، ''تنقید برآب حیات''، اور شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد اور

دیوان ذوق ہیں۔ (۵۸)

حافظ محمود شیرانی کی تنقید مشرقی بھی ہے اور مغربی بھی، فنی بھی ہے اور فکری بھی، تقابلی بھی ہے اور استقرائی بھی، تجزیاتی بھی ہے اور جمالیاتی بھی، عمرانی بھی ہے اور نفسیاتی بھی، شیرانی صاحب اس اعتبار سے سائنٹفک نقاد ہیں کہ وہ اذعانیت (dogmatism) کا شکار نہیں ہوتے بلکہ عملی اور تحقیقی معیار سے صداقت کو پرکھنے پر زور دیتے ہیں۔ (۵۹) ان کے تنقیدی دعوؤں کے حوالے سے یونس حسنی لکھتے ہیں:

> ''پرتھوی راج راسا کے بارے میں محمود شیرانی نے سب سے پہلے دعویٰ کیا کہ اس کا چندر بردائی سے کوئی تعلق نہیں ، ان کے استدلال اور اعتراضات کا آج تک جواب نہیں بن پڑا ہے۔۔تنقید شعرالعجم اور تنقید برآب حیات اور تنقید ترجمۂ خزائن الفتوح میں مولانا شبلی، مولانا آزاد اور پروفیسر حبیب کی تحقیقی لغزشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔اور بہت سی معروف حقیقتوں کو بے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔محمود شیرانی کی تحریروں نے اردو تنقید و تحقیق کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔صحیح علم، واضح دلیل اور سلجھے ہوئے استدلال پر وہ بڑا زور دیتے ہیں داخلی شہادتیں ان کی تحقیق کا سب سے اہم عنصر ہیں۔۔۔۔خالق باری کو بھی انھوں نے مرتب کیا تھا۔'' (۶۰)

حافظ محمود شیرانی سے پہلے اردو تنقید میں مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی اور ان کے بعد کم معروف اور کم رجحان ساز ناقدین میں وحید الدین سلیم، امداد امام اثر، مہدی افادی کے نام لیے جاتے ہیں۔ان کے بعد حافظ محمود شیرانی کا نام لیا جاتا ہے۔شیرانی جہاں تحقیق میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں وہیں انھوں نے تنقید یا اس کے اصول وضوابط کے بارے میں تو کچھ نہیں لکھا مگر انھوں نے جو عملی تنقید کے نمونے چھوڑے ہیں وہ معیاری اور قابل

قدر ہیں وہ مغربی تنقید کے اثرات کوقبول کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے مگر وہ اپنا دامن روایت کے ساتھ جڑا رکھنا چاہتے ہیں اور مشرقی تنقید سے پہلو تہی کرنے کے خلاف ہیں۔ وہ انگلستان میں رہنے اور مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھنے کے باوجود اسے مشرقی تہذیب کے مقابلے میں اچھا نہیں گردانتے۔

حافظ محمود شیرانی بطور ماہر عتیقیات:

پروفیسر شیرانی ادب کے مؤرخ اور محقق ہونے کے علاوہ عتیقیات کے بھی منفرد ماہر تھے۔ علم سکہ شناسی، نقش ونگار اور علم خط کی شناخت کے علاوہ اسالیب ادب سے گہری واقفیت رکھتے تھے اور اس مہارت کی وجہ سے تصنیفات کے تاریخی مغالطّوں کو کامیابی سے دور کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان معاملات میں برصغیر پاک وہند میں صرف مرحوم استاد مولوی محمد شفیع ہی ایک ایسے شخص تھے جنھیں پروفیسر شیرانی کا ہم رتبہ سمجھا سکتا ہے۔ (٦١) حافظ محمود شیرانی کتابوں، مخطوطات، مسکوکات جمع کرنے کے شوقین تھے۔ جب ان کو کوئی نئی کتاب یا مخطوطہ ملتا تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی۔ وہ اپنی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ کتابیں خریدنے پر خرچ کرتے جس کی بدولت انھوں نے چند سالوں ہی میں ایک نادر و نایاب کتب خانہ ترتیب دے لیا تھا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''قیام انگلستان کے زمانے میں پروفیسر شیرانی نے قلمی کتابوں کے علاوہ قدیم مصوری، خطاطی اور دوسرے فنون کے نمونوں کی جانچ کا بڑا تجربہ حاصل کیا قلمی کتابوں اور آثار قدیمہ کی شناخت کے بارے میں ان کی نگاہ اس درجہ تجربہ کار اور شناسا ہوگئی تھی کہ وہ انباروں اور طوماروں کے اوپر سے ہی نظر ڈال کر اپنے کام کی چیز نکال لیتے تھے۔۔۔ وہ عام خریدار نہ تھے بلکہ صاحب نظر تھے اسی لیے جب کبھی انھیں کسی چیز کا پتہ چلتا جو ان کی تلاش کا موضوع ہوتی تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔''(٦٢)

حافظ محمود شیرانی کو کتابیں، مخطوطات، مسکوکات اور تاریخی اشیاء جمع کرنے کا بہت شوق

تھا۔انھوں نے بہت بڑی تعداد میں چاندی،سونے اور تانبے کے سکے جمع کیے ہوئے تھے۔وہ انگلستان میں رہ کر قانون کی تعلیم تو مکمل نہیں کر سکے مگر انھوں نے مخطوطہ شناسی اور کتاب دوستی کا ملکہ ضرور حاصل کرلیا۔شمس الدین صدیقی لکھتے ہیں:

''شیرانی کو نہ صرف فارسی اور اردو زبان پر پورا عبور حاصل تھا،وہ تمام اسلامی ممالک کی تاریخ سے بھی خوب واقف تھے اور خطاطی،مصوری، نقاشی وغیرہ فنونِ لطیفہ میں بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ان کی بصیرت اور ژرف نگاہی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات وہ کسی خطی نسخے کو دیکھ کر ہی بتا سکتے تھے کہ اس کا کاغذ کس زمانے کا ہے،کتاب کا عہد کون سا ہے اور کتاب کس مدرسۂ کتابت سے تعلق رکھتی ہے۔''(۶۳)

حافظ محمود شیرانی محققانہ مزاج رکھنے کی وجہ سے ہر مخطوطے، سکے کی تاریخ،عہد اور ساخت کے بارے میں نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کرتے۔ہر مخطوطے کے کاغذ،رسم الخط اور کاتب کے حوالے سے گہری تحقیق عمل میں لاتے۔شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''آپ ہر نوشتہ ہر کاغذ اور رسم الخط کو دیکھ کر یہ بتا دیا کرتے تھے کہ اس کا زمانہ کیا ہے اور یہ کس ملک یا سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔خطاطی کے وقائق پر آپ کو اس درجہ عبور حاصل تھا کہ آپ کاغذ،روشنائی کی قلم،تذہیب اور آرائش کی خصوصیات سے اس کے زمانے بلکہ اس کے لکھنے والے کا صحیح پتہ لگا لیتے تھے۔۔۔۔اس کے علاوہ قرآن مجید کے رموز اوقاف اور دوسری علامتوں کے بارے میں آپ کا علم بے حد وسیع تھا آپ انھی علامتوں کو دیکھ کر کسی نسخۂ قرآن کی کتابت کا صحیح زمانہ متعین کر سکتے تھے۔''(۶۴)

اسلوب تحریر:

حافظ محمود شیرانی کا اسلوب نگارش سادہ،سلیس اور عام فہم ہے۔ان کی تحریروں میں

پیچیدگی، الجھاؤ نہیں ہے بلکہ ان کا انداز سیدھا سادہ اور دوٹوک ہے۔ ان کی تحریر میں مبالغہ آمیزی اور لفظی تراش خراش اور بناوٹ کے بجائے حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے۔

> ''شیرانی صاحب کا اسلوب تحریر سادہ اور آرائش سے خالی مگر نہایت پختہ ہے ان کا استدلال قوی اور مسکت ہے۔ وہ مسئلہ زیر بحث کو مختلف زاویوں سے دیکھ کر قاری کے دخلہائے مقدر کو ہر طرح سے رفع کرنے کی سعی کرتے ہیں اور مضمون کا ہر طرح سے احاطہ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اعتراض کے لیے حتی الامکان کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ ان کا بیان متین ہوتا ہے لیکن اگر ہنسانا ممکن ہوتا ہے تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے۔''(۶۵)

حافظ محمود شیرانی کی تحریروں میں سنجیدگی، متانت کے ساتھ ساتھ علمی اور تحقیقی انداز بھی پایا جاتا ہے۔ ان کی تنقیدی زبان تعصب اور جانبداری سے پاک ہے۔ وہ کسی پر تنقید کرتے ہوئے وہ اپنی شخصیت کو جملوں اور لفظوں کے پیچھے نہیں چھپاتے بلکہ کھل کر سامنے آ کر بات کہنے کے عادی ہیں۔

حاصل کلام:

حافظ محمود شیرانی کی اردو زبان و ادب کے حوالے سے خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شیرانی نے بطور محقق، مدون، نقاد، تبصرہ نگار، شاعر، مؤرخ اور ماہر عتیقیات نہایت قابل قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔ انھوں نے تحقیق کے حوالے سے جو کام کیا ہے وہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کی بدولت حافظ محمود شیرانی کو اردو کے اولین تحقیق نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اردو تحقیق کو شک وشبہ اور مبالغہ آمیزی، پسند و ناپسند اور ذاتی تعصّبات کی فضا سے نکال کر سند اور استدلال کے ضابطوں سے ہمکنار کیا۔ انھوں نے تحقیق و تنقید کو وہ اصول اور ضابطے عطا کیے جس سے آنے والے محققین نے رہنما اصول وضع کیے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> ''حافظ محمود شیرانی نے کئی تاریخی مغالطے دور کیے اور ان میں بعض مغالطے ایسے بھی تھے جو صدیوں سے رائج و راسخ تھے۔ سراج الدین آذر کہا

کرتے تھے ہماری تاریخ ہند نے دو بت شکن پیدا کیے :ایک محمود غزنوی ،دوسرے محمود شیرانی ۔اور غور کیا جائے تو یہ قول غلط نہیں ۔''(۶۶)

حافظ محمود شیرانی کی شخصیت کے تمام پہلو اپنی گوناں گوں خوبیوں کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ ان پر سیر حاصل بحث کی جائے ۔کوئی بھی شعبہ ہو ان کی تحریر سے ان کی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے ۔ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں :

''وہ بے نظیر استاد اور بے مثل مدرس تھے، وہ بے عدیل محقق ،اعلیٰ پایے کے مؤرخ اور عالی مرتبہ نقاد تھے ۔''(۶۷)

حافظ محمود شیرانی کے کام کی مختلف جہتوں کو دیکھتے ہوئے اور ان کے کام کو معیار و مقدار کے حوالے سے ناپتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اردو زبان و ادب کو وہ کچھ دیا ہے جو ان کے ہم عصروں میں سے بہت کم لوگ دے پائے ہیں ۔انھوں نے جب سے شعور سنبھالا تحقیق وتنقید اور درس وتدریس کے سلسلے سے وابستہ رہے ۔شروع میں ابتدائی تعلیم حاصل کی قرآن مجید حفظ کیا ۔اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا پھر لندن گئے تو وہاں لا ء کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف حوالوں سے پرانی کتابوں ،سکوں ،مخطوطوں اور نادر اشیاء کے حوالے سے تحقیق کے مختلف مراحل طے کرتے رہے ۔وطن واپس آ کر بھی کتابوں ،مخطوطوں اور دیگر نوادرات ادب کی تلاش وجستجو میں ملک کے طول وعرض میں سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا ۔اپنی نہایت قلیل آمدن میں سے کتب کی خرید کا سلسلہ آخر تک جاری رکھا ۔پھر اسلامیہ کالج اور اور اورینٹل کالج لاہور میں درس وتدریس اور تحقیق وتنقید سے وابستہ رہے ۔انھوں نے جس شعبہ میں بھی قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا ۔جس زاویے اور پہلو کو پرکھا تو ایسی کسوٹی اور جانچ پڑتال کی کہ مزید تحقیق کی گنجائش نہ چھوڑی ۔

انھوں نے اردو ادب کے خزانے میں کئی حوالوں سے اضافہ کیا ہے ۔اردو زبان و ادب کے باب میں ان کی خدمات ہرگز فراموش کیے جانے کے قابل نہیں ہیں ۔

☆☆............☆☆

حوالہ جات

۱۔ محمد اکرام چغتائی، مرتبہ پنجاب میں اردواز حافظ محمود شیرانی، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ء،ص ۷، ۸

۲۔ ایضاً، ص ۸، ۹

۳۔ شیخ عبدالقادر: حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء، ص ۹

۴۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، تعبیر و تفہیم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۳۰

۵۔ تاثیر، دین محمد، ڈاکٹر: مقالات تاثیر مرتبہ ممتاز اختر مرزا، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۸ء، ص ۳۹۱

۶۔ محمد عبداللہ، سید، پنجاب میں بیسویں صدی کے بعض خدمت گزارانِ اردو مشمولہ اخبار اردو، پنجاب میں اردو نمبر مارچ اپریل ۲۰۰۴ء، ص ۳۱۰

۷۔ تاثیر، دین محمد، مقالات تاثیر، ص ۳۹۴

۸۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات، جلد اول، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۱۹۷

۹۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اردو کی پیدائش اور ارتقا، مشمولہ تاریخ مسلمانان پاکستان و ہند، چھٹی جلد، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص ۷۱

۱۰۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر پاکستان میں اردو تحقیق، مشمولہ اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز، ۲۰۰۱ء، طبع چہارم، ص ۲۱۱

۱۱۔ تاثیر، دین محمد، مقالات تاثیر، ص ۳۹۳

۱۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پنجاب تحقیق کی روشنی میں، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۷۱

۱۳۔ داستان زبان اردو، ص ۴۷

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان

۱۵۔ داستان زبان اردو، ص ۴۷

۱۶۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پنجاب۔ تحقیق کی روشنی میں، ص ۵۴

۱۷۔ ایضاً ص ۳۵

۱۸۔ گیان چند پروفیسر، اردو کی ادبی تحقیق آزادی سے پہلے، مشمولہ اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، ص ۱۷۴

۱۹۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر پاکستان میں اردو تحقیق، مشمولہ اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، ص ۲۰۹

۲۰۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، لسانیات، زبان اور رسم الخط، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص ۵۶

۲۱۔ شمس اللہ صدیقی، ڈاکٹر، تحقیق و تنقید مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد دسویں، لاہور پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۹۳

۲۲۔ صفدر علی، پروفیسر، اصول تحقیق و تدوین، لاہور، فاروق سنز، س ن، ص ۱۸۸

۲۳۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات مشمولہ ارمغان شیرانی، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، زاہد منیر عامر، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۲۷، ۲۸

۲۴۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۷

۲۵۔ ایضاً ص ۱۱۰

۲۶۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، مشمولہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی، شمارہ ۱۰، ۱۱، ص ۴۸۳

۲۷۔ پنجاب میں اردو مرتبہ محمد اکرام چغتائی، ص ۸

۲۸۔ عبدالقادر، شیخ: حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء، ص ۱۱

۲۹۔ نورینہ تحریم بابر: اردو تحقیق روایت اور امکانات مشمولہ اردو تحقیق (منتخب مقالات)، مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص ۱۰۶

۳۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص ۳۸۶

۳۱۔ نورینہ تحریم بابر: اردو تحقیق روایت اور امکانات مشمولہ اردو تحقیق (منتخب مقالات)، مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص ۱۰۶

۳۲۔ مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول مرتبہ مظہر محمود شیرانی، جلد اول، ص ۴، ۵

۳۳۔ قاضی عبدالودود سے قبل اردو تحقیق اور متنی تنقید، مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳

۳۴۔ گیان چند جین، ڈاکٹر: محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات مشمولہ ارمغان شیرانی، ص ۱۸

۳۵۔ گیان چند، پروفیسر، اردو کی ادبی تحقیق آزادی سے پہلے، مشمولہ اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز، ۲۰۰۱ء، طبع چہارم، ص ۱۷۴

۳۶۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، مشمولہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی، شمارہ ۱۰، ۱۱، ص ۴۸۶

۳۷۔ مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳

۳۸۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، مشمولہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی، شمارہ ۱۰، ۱۱، ص ۴۸۶

۳۹۔ محمود شیرانی کا قیام لندن میں، مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۴

۴۰۔ قاضی عبدالودود سے قبل اردو تحقیق اور متنی تنقید، مشمولہ تعبیر و تفہیم، از ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳

۴۱۔ مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ، مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص ۱۱

۴۲۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی مشمولہ ارمغان شیرانی، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، زاہد منیر عامر، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۹۷

۴۳۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر: محقق شیرانی اور تاریخی حسیت مشمولہ حافظ محمود شیرانی۔ تحقیقی مطالعے مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۸

۴۴۔ عابد سیال: بھارت میں حافظ محمود شیرانی کی خدمات کا اعتراف مشمولہ سہ ماہی نوادر، مجلس یادگار نظیر حسنین زیدی، لاہور شمارہ ۱۳ تا ۱۵، ۲۰۰۵ء، ص ۵۵

۴۵۔ خلیق انجم، متنی تنقید، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند) ص ۴۲

۴۶۔ ابن کنول، تحقیق و تنقید، کتابی دنیا دہلی، ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۶

۴۷۔ محمد شفیع، مولوی، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء، ص ۲۱

۴۸۔ نورینہ تحریم بابر: اردو تحقیق روایت اور امکانات مشمولہ اردو تحقیق (منتخب مقالات)، مرتبہ ڈاکٹر عطش درانی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ص ۱۰۶

۴۹۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو تنقید کا ارتقاء، کراچی، انجمن ترقی اردو (پاکستان)، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۷

۵۰۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب) مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ششم، ص ۲۳۸

۵۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات، جلد دوم، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء، ص ۶۷۴

۵۲۔ ایضاً ص۶۸۰

۵۳۔ شیرانی، حافظ محمود، تنقید شعر العجم، ۱۹۷۰ء، ص۱۵۷

۵۴۔ کیفی، پنڈت برجموہن دتاتریہ، منثورات، ص۲۸۷

۵۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، ص۲۳۳

۵۶۔ شیرانی، حافظ محمود، شہادت کلام، مشمولہ تحقیق شناسی، مرتبہ رفاقت علی شاہد، لاہور، القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۳ء، ص۷۰

۵۷۔ مظہر محمود شیرانی (مرتب) مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد پنجم، ص۲

۵۸۔ گیان چند جین، ڈاکٹر: محمود شیرانی مرحوم سے میرے استفادات مشمولہ ارمغان شیرانی، ص۲۱

۵۹۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی کی علمی و ادبی خدمات، جلد دوم، ص۱۴۷

۶۰۔ یونس حسنی، ڈاکٹر، اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۷۶ء، ص۲۹

۶۱۔ مقدمہ از ڈاکٹر سید عبداللہ مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد اول، ص۳

۶۲۔ عبداللہ، سید ڈاکٹر، کتب خانہ شیرانی کے نوادر مشمولہ فارسی زبان و ادب مجموعہ مقالات، لاہور مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص۳۴۹، ۳۵۰

۶۳۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر: تحقیق و تنقید، مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند دسویں جلد، (مدیر سید فیاض محمود)، لاہور پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء، ص۱۹۴

۶۴۔ عبدالقادر، شیخ: حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء، ص۱۱

۶۵۔ محمد شفیع، مولوی، مرحوم حافظ محمود شیرانی، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین۔ حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء، ص۲۲

۶۶۔ عبداللہ، سید ڈاکٹر، ادب و فن، لاہور، مغربی پاکستان اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص۹۶

۶۷۔ عبداللہ سید ڈاکٹر، کتب خانہ شیرانی کے نوادر مشمولہ فارسی زبان و ادب مجموعہ مقالات، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص۳۴۸

کتابیات

کتب

۱۔ ابن کنول،تحقیق وتنقید، دہلی، کتابی دنیا،۲۰۰۶ء

۲۔ امیر خسرو،خزائن الفتوح، بہ تصحیح وتنقید وتحشیہ محمد وحید مرزا،نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان، ایڈیشن دوم، ۱۹۷۶ء

۳۔ انور سدید،ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ،

۴۔ ایم سلطانہ بخش،ڈاکٹر، اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز،۲۰۰۱ء، طبع چہارم

۵۔ تاثیر، دین محمد،ڈاکٹر: مقالات تاثیر مرتبہ ممتاز اختر مرزا، لاہور مجلس ترقی ادب،۱۹۷۸ء

۶۔ تنویر احمد علوی،ڈاکٹر، اصول تحقیق وترتیب، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۹۶ء

۷۔ تنویر احمد علوی،ڈاکٹر، اصول تحقیق وترتیب متن، سنگت پبلشرز، لاہور،۲۰۰۳ء

۸۔ جاوید اختر بھٹی، بیس معروف ادبی شخصیات، لاہور، برائٹ بکس،۲۰۰۶ء

۹۔ جلیل قدوائی (مرتب)، مکتوبات عبدالحق، کراچی، مکتبہ اسلوب،۱۹۶۳ء

۱۰۔ حبیب اللہ خان غضنفر، پروفیسر، زبان وادب، لاہور بک ٹاک،۲۰۰۳ء

۱۱۔ خلیق انجم، متنی تنقید، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند،۱۹۶۷ء

۱۲۔ خلیق انجم، متنی تنقید، لاہور، سنگت پبلشرز،۲۰۰۴ء

۱۳۔ خلیق انجم،ڈاکٹر، تعبیر وتفہیم، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،۱۹۹۶ء

۱۴۔ داؤد رہبر، تسلیمات، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز،۲۰۰۴ء

۱۵۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب،۱۹۸۹ء

۱۶۔ رفاقت علی شاہد (مرتب)، تحقیق شناسی، لاہور، القمر انٹر پرائزز،۲۰۰۳ء

۱۷۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر، زاہد منیر عامر (مرتبین)، ارمغان شیرانی، لاہور، پنجاب یونیورسٹی،۲۰۰۲ء

۱۸۔ رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر، زاہد منیر عامر (مرتبین)، ارمغان شیرانی، لاہور، پنجاب یونیورسٹی،۲۰۰۲ء

۱۹۔ سجاد، سید (مرتب)، آب حیات کا تنقیدی وتحقیقی مطالعہ، لاہور، س ن

۲۰۔ سلیم اختر،ڈاکٹر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان

۲۱۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر، داستان زبان اردو، کراچی، کل پاکستان انجمن ترقی اردو۔اردو بورڈ، ۱۹۶۰ء
۲۲۔ شہاب الدین ثاقب، ڈاکٹر، انجمن ترقی اردو ہند کی علمی اور ادبی خدمات
۲۳۔ شیرانی، حافظ محمود (مرتب)، مجموعہ نغز یعنی تذکرہ شعرائے اردو حکیم ابوالقاسم قدرت اللہ المتخلص بہ قاسم، لاہور، سلسلہ نشریات کلیہ پنجاب، ۱۹۳۳ء
۲۴۔ شیرانی، حافظ محمود، پنجاب میں اردو، مرتبہ وحید قریشی، لاہور، کتاب نما، ۱۹۷۲ء
۲۵۔ شیرانی، حافظ محمود، پنجاب میں اردو، لاہور، انجمن ترقی اردو، اسلامیہ کالج، ۱۹۲۸ء
۲۶۔ شیرانی، حافظ محمود، پنجاب میں اردو، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۲ء
۲۷۔ شیرانی، حافظ محمود، تنقید شعرالعجم، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۲ء
۲۸۔ شیرانی، حافظ محمود، سرمایۂ اردو، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء
۲۹۔ شیرانی، حافظ محمود، فردوسی پر چار مقالے، دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۴۲ء
۳۰۔ شیرانی، حافظ محمود، مقالات شیرانی، حافظ محمود شیرانی، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۴۸ء
۳۱۔ صفدر علی، پروفیسر، اصول تحقیق وتدوین، لاہور، فاروق سنز، س ن
۳۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقاء، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۱ء
۳۳۔ عبدالحق، چند تنقیدات عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۳۹ء
۳۴۔ عبداللہ سید، ڈاکٹر: ادب وفن، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء
۳۵۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، فارسی زبان وادب مجموعہ مقالات، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء
۳۶۔ عطش درانی، ڈاکٹر، اردو تحقیق روایت اور امکانات مشمولہ اردو تحقیق (منتخب مقالات)، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان
۳۷۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پنجاب تحقیق کی روشنی میں، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء
۳۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، لاہور، ۱۹۶۲ء
۳۹۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، کراچی، انجمن ترقی اردو (پاکستان)، ۱۹۹۸
۴۰۔ فضل حق، خانصاحب قاضی، پنجابی علم وادب میں مسلمانوں کا حصہ مرتبہ بذل حق محمود، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء

۴۱۔ قدرت نقوی، سید،نسخۂ شیرانی اوردوسرے مقالات، لاہور،مغربی پاکستان اردواکیڈمی،۱۹۸۸ء
۴۲۔ کیفی، پنڈت برجموہن دتاتریہ،منشورات، لاہور، مکتبہ معین الادب،۱۹۵۰ء
۴۳۔ گوہرنوشاہی، ڈاکٹر،حواشی،جائزہ زبان اردو(پنجاب)،مرتبہ خواجہ عبدالوحید،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،
۲۰۰۵ء
۴۴۔ گیان چندجین، ڈاکٹر،تحقیق کافن، اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،
۴۵۔ محمداشرف کمال،ڈاکٹر،لسانیات، زبان اوررسم الخط،فیصل آباد،مثال پبلشرز،۲۰۰۹ء
۴۶۔ محمداکرام چغتائی(مرتب)،پنجاب میں اردو، لاہور،سنگ میل پبلیکیشنز،۲۰۰۵ء
۴۷۔ محمداکرام چغتائی،پنجاب میں اردو، لاہور،سنگ میل پبلیکیشنز،۲۰۰۵ء
۴۸۔ محمدباقر،ڈاکٹر،اردوئے قدیم دکن اور پنجاب میں، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۷۲ء
۴۹۔ محمدحنیف شاہد(مرتب)،مقالات عبدالقادر، لاہور،مجلس ترقی ادب لاہور،۱۹۸۶ء
۵۰۔ مسعود حسین خان، ڈاکٹر مقدمہ تاریخ زبان اردو، لاہور، اردومرکز،۱۹۶۶ء
۵۱۔ مظہرمحمودشیرانی،حافظ محمودشیرانی کی علمی وادبی خدمات،جلداول، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۹۳ء
۵۲۔ مظہرمحمودشیرانی،حافظ محمودشیرانی کی علمی وادبی خدمات،جلددوم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۹۵ء
۵۳۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدپنجم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۷۰ء
۵۴۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلددوم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۶۶ء
۵۵۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدسوم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۶۹ء
۵۶۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی ،جلددہم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۰۷
۵۷۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلداول، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۶۶ء
۵۸۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدچہارم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۶۸ء
۵۹۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدششم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۷۲ء
۶۰۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدنہم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۹۹ء
۶۱۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدہشتم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۸۵ء
۶۲۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مقالات حافظ محمودشیرانی،جلدہفتم، لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۷۶ء
۶۳۔ مظہرمحمودشیرانی(مرتب)،مکاتیب حافظ محمودشیرانی، لاہور،مجلس یادگارحافظ محمودشیرانی، لاہور،1981

۶۴۔ نذیر احمد، پروفیسر (مرتب) حافظ محمود شیرانی۔تحقیقی مطالعے، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء
۶۵۔ ہاشمی فرید آبادی، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۷ءطبع ثانی
۶۶۔ ہاشمی فرید آبادی، پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۳ء
۶۷۔ یونس حسنی، ڈاکٹر، اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی، ۱۹۷۶ء

تاریخ ادبیات

۱۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و ہند، جلد چھٹی، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء
۲۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دسویں، لاہور پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء

رسائل

۱۔ ''اخبار اردو،،، ماہنامہ، اسلام آباد، پنجاب میں اردو نمبر، مارچ اپریل ۲۰۰۴ء
۲۔ ''اورینٹل کالج میگزین،،، لاہور۔حصہ اول، شیرانی نمبر جلد ۲۳، عدد مسلسل ۸۸، فروری ۱۹۴۷ء
۳۔ ''اورینٹل کالج میگزین،،، لاہو، جلد ۲۸، عدد مسلسل ۱۰۷، نومبر ۱۹۵۱ء
۴۔ ''تحقیق''، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ ۱۰، ۱۱
۵۔ ''صحیفہ'' لاہور، مجلس ترقی ادب لاہور، جنوری مارچ ۱۹۸۶ء
۶۔ ''فنون'' لاہور، شمارہ ۴، جلد ۳، جنوری ۱۹۶۴ء
۷۔ ''فنون''، لاہور جلد ۱، شمارہ ۱، ۲، مئی جون ۱۹۶۵ء
۸۔ ''قومی زبان''، کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء
۹۔ ''ماہ نو'' لاہور، دسمبر ۲۰۰۶ء
۱۰۔ ''مخزن'' لاہور، شمارہ مسلسل ۱۸، ۲۰۰۹ء
۱۱۔ ''نقوش'' لاہور، آپ بیتی نمبر
۱۲۔ ''نقوش''، لاہور، لاہور نمبر
۱۳ ''نوادر''، سہ ماہی مجلس یادگار نظیر حسنین زیدی، لاہور شمارہ ۱۳ تا ۱۵، ۲۰۰۵ء

☆☆..........☆☆

مقتدرہ قومی زبان نے ادارے کے دوسرے اہم وظائف کے ساتھ ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کی کہ اُردو کے بنیاد گزاروں کو یاد رکھا جانا چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں کو اُن کی علمی، ادبی اور لسانی خدمات سے آگاہ کیا جا سکے۔ مشاہیرِ اُردو کے عنوان سے پیشِ نظر سلسلۂ مطبوعات کا آغاز کیا گیا ہے جس میں اُردو کے محسنوں اور بنیاد گزاروں کی اُردو کے لیے خدمات پر تعارفی نوعیت کی مختصر مگر جامع کتابیں شائع کی جائیں گی۔

حافظ محمود شیرانی اُردو کے عہد ساز محقق اور تنقید نگار ہیں۔ ماہر لسانیات کی حیثیت سے ان کی شخصیت بے حد نمایاں مقام و مرتبے کی حامل ہے۔ حافظ صاحب کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں مگر اُردو کی ترویج و فروغ کے ضمن میں ان کے کارنامے بے حد و حساب اہم ہیں۔ انھوں نے اُردو ادب و لسانیات کے طلبا و طالبات کے لیے بے حد مفید اور عالمانہ خدمات سرانجام دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو تحقیق اور لسانیات کا باب حافظ محمود شیرانی کے بغیر کسی صورت مکمل نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال اُردو کے نوجوان محقق، تنقید نگار اور اُستاد ہیں۔ انھوں نے مقتدرہ قومی زبان کے مطبوعاتی سلسلے مشاہیرِ اُردو کے لیے حافظ محمود شیرانی کی حیات و خدمات پر وقیع کتاب تصنیف کر کے اُردو کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب حافظ محمود شیرانی کے احوال و آثار سے آگاہی کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔